الواح الصنادید

حصہ دوم

از

عطاء الرحمن قاسمی

(ایم۔ اے)

مولانا آزاد اکیڈمی ۱۹۳ گلی گڑھیا
بازار مٹیا محل، جامع مسجد دہلی

الواح الصنادید

حصّہ دوم

از

عطاء الرحمن قاسمی
(ایم۔ اے)

مولانا آزاد اکیڈمی ۱۹۳ گلی گڑھیا
بازار مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

نام ـــــــ الواح الصنادید حصہ دوم

مصنف ـــــــ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی چمپارنی

استاذ حدیث و تفسیر جامعہ رحیمیہ مہندیان نئی دہلی

سنہ طباعت ـــــــ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۱ء، ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ

صفحات ـــــــ ۲۵۶

قیمت ـــــــ ۱۰۰ روپیئے

تعداد ـــــــ ایک ہزار

سرورق ـــــــ مولانا ابوبکر قاسمی

مطبوعہ

ناشر ـــــــ مولانا آزاد اکیڈمی ۱۹۳۔ گلی گڑھیا، بازار مٹیا محل

جامع مسجد دہلی ۶

انتساب

دلی

کی

عظمت

رفتہ

کے

نام!

نیا قبرستان دلی گیٹ

مقدمہ

از حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

دلی کی قدیم تاریخ راجہ دہلو سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن اس تاریخی بستی کو ۱۱۹۵ء میں مسلم فرمانرواؤں کی راجدھانی بننے کا شرف حاصل ہوا۔

یہ دلی مہرولی کے آس پاس آباد تھی۔ اس کے دو سو برس بعد (۱۳۵۴ء) فیروز شاہ تغلق نے اس جگہ دلی بسائی جہاں آج فیروز شاہ کا کوٹلہ ہے۔ اور اس تعلق سے اسے فیروزآباد کہا گیا۔

ہمایوں کے بیٹے اکبر نے آگرہ کو اپنی راجدھانی بنایا اور قلعہ فیروز شاہی (کوٹلہ) کو صرف ایک فوجی چھاونی رکھا، اکبر کے پوتے شاہ جہاں نے لال قلعہ تعمیر کرایا اور اس کے آس پاس دلی بسائی جو شاہ جہاں کی نسبت سے شاہ جہاں آباد کہلائی۔

عظمتِ دلی کا آغاز!

دلی کی اسلامی عظمت کا آغاز بغداد کی مسلم عظمت کے زوال سے جڑا ہوا ہے۔

ادھر تاتاریوں کے ہاتھوں عباسی خلافت کا سورج غروب ہوا ادھر علماء و فضلاء اور صوفیاء کی ہندوستان میں آمد نے اس سرزمین ہند کو اسلامی علوم اور مسلم تہذیب کی روشنی سے منور کیا۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

کے مقولہ کے مطابق بغداد و بصرہ و بخارا کے آسمان پر چمکنے والے ستارے وہاں غروب

ہوئے اور یہاں طلوع ہو گئے۔

دلی کے لئے بار بار اجڑنا اور بسنا اسی لئے ضرب المثل ہو گیا کہ یہ بستی ایک عظمت کے اجڑنے سے پھر باعظمت ہوئی۔

اسلامی ہند کا یہ ابتدائی دور تھا، جس میں اسلامی دلی کی تعمیر شروع ہوئی اور دلی کو اپنی تعمیر کے لئے وہ مسالہ مل گیا جو اسلامیان عالم کی صدیوں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔

طبقات ناصری کا مولف منہاج السراج اس وقت کی دلی کو نہایت معزز لقب "حضرت دلی" سے یاد کرتا ہے۔

"خلائق اطراف گیتی را بہ حضرت دہلی کہ دار الملک ہندوستان است و مرکز دائرہ اسلام (ص ۱۶۶)

فتوح السلاطین کے مصنف عصامی نے عہد شمسی کی دلی کی تعریف و توصیف کر کے آخری شعر یہ لکھا ہے۔

یکے کعبہ ہفت اقلیم شد
دیارش ہمہ دار اسلیم شد (ص ۱۱۱)

خداوند عالم نے اس عہد کے حکمراں سلطان التمش کو علم دوستی کا وہ وصف عطا کیا، جس کی وجہ سے سیکڑوں علمار، شعرار، وصوفیا اس کی طرف کھنچ کر آ گئے۔

تاتاریوں کی خون آشام تلوار مسلمانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی اور علمار وصوفیار کی یہ جماعت اعلان کر رہی تھی۔ ؎

باوصفِ غم برہنہ پائی، ہیں تا ابد رواں دواں ہم
ہم گونج ہیں سازِ ارتقا کی، گونجیں گے ابھی زماں زماں ہم

وقت آ گیا تھا کہ جس سرزمین سے میر عرب کو ٹھنڈی ہوا آئی وہ سرزمین میر عرب کے پیغام سے سرفراز ہو۔

علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

وحدت کی لَے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

دورِ عروج!

اسلامی ہند کی عظمت علاء الدین خلجی کے عہد میں انتہائی عروج پر پہنچی۔ اس عہد کے مورخ برنی کا بیان ہے کہ اس عہد میں دار السلطنت دلی میں ایسے ایسے باکمال علماء و فضلاء جمع ہو گئے تھے جن کا ثانی بغداد اور بصرہ و بخارا میں ملنا مشکل تھا، یہاں تک کہ:

"اگر استادان ما آن تصنیف را استحسان و اعتبارے کردندے معتبر شدے والا مہجور ماندے" (تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۲)

یعنی ان اسلامی مرکزوں کی تصانیف اس وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں جب علماء دہلی ان کی توثیق و تصدیق کر دیا کرتے تھے۔

برنی اس عہد کی دلی کے ایک واعظ و خطیب مولانا عماد الدین حسام درویش کے روح پرور مواعظ کی تاثیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نہ چشمے دیدہ نہ گوشے شنیدہ، مرغ از آسمان فرود آمدے"

اسی عہد کے ایک عالم مولانا ضیاء الدین سنامی نے حضرت محبوب الٰہی کے سماع پر تنقید کی اور اسے خلافِ شرع قرار دیا۔

ان کی وفات پر حضرت نے فرمایا۔

"یک ذات بود حامی شریعت، حیف آں نیز نماند"

(اخبار الاخیار ص ۱۵۸)

برنی نے اس دورِ سعادت کے باکمال علماء کی فہرست (۴۶) تحریر کی ہے، جس سے

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین ہند اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے بہت جلد اس قابل ہوگئی کہ سمرقند و بخارا کی زرخیز مٹی سے اٹھنے والے باکمال حضرات کی تعلیم و تربیت سے ہندوستان کے شہروں بیانہ، بھکر، کول، ملتان، بلند شہر، ہانسی اور لاہور کی سرزمین سے باکمال علماء کا ظہور شروع ہوگیا اور اسلام کی اس کرامت نے صرف ایک صدی کے اندر ہی سرزمین ہند کی کایا پلٹ کردی۔

قیام دلی بعہد شمس الدین التمش (۵۹۱ھ) چھٹی صدی کے آخر کا واقعہ ہے اور علاء الدین خلجی کی فتح دلی (۶۹۵ھ) ساتویں صدی ہجری کے آخر کا واقعہ ہے۔

اور یہی وہ دور ہے یعنی ساتویں صدی کا آغاز جب عالم اسلام پر اس کے مرکز بغداد و بصرہ پر تاتاریوں کے حملوں کی قیامت ٹوٹی ہے

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر نکلے، ادھر ڈوبے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

اور علم و فضل میں باکمال افراد ہی نہیں بلکہ وہ مجاہدین حق پیدا ہوئے جنھوں نے مکہ اور مدینہ اور بغداد و بصرہ کے مجاہدین اسلام کی مثالیں قائم کرکے مسلم اقتدار کی فرعونیت کو للکارا اور امام احمد بن حنبل اور سعید ابن جبیر کی یاد تازہ کردی۔

تاریخ کا یہ افسوسناک واقعہ تو سب کو معلوم ہے کہ راجستان (ناگور) کے ملّا مبارک اور ان کے لڑکوں ابوالفضل اور فیضی نے جلال الدین اکبر کو گمراہ کیا اور اس کی گمراہی کے لئے اپنے علم و فضل کا سرمایہ باطل پیش کیا۔ لیکن یہ تاریخی بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اسی سرزمین راجستان (بیانہ) سے وہ ہستی اٹھی جسے قاضی مغیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس نے اکبر سے تین سو برس پہلے علاء الدین خلجی کی شکل میں نمودار ہونے والی گمراہی (دعویٔ نبوت) کو للکارا اور خلجی جیسے جابر حکمراں کے منہ پر اعلان حق کیا اور خلجی اپنی عام عادت جبر و تشدد کے برعکس قاضی صاحب کی پرخلوص نصیحت سے متاثر ہوگیا اور اپنے فرعونی ارادہ سے باز رہا۔ ورنہ جو گمراہی

اکبر (وفات ۱۵۱۴ھ) کے عہد میں نمودار ہوئی وہ خلجی کے عہد (۶۹۵ھ) میں نمودار ہو چکی تھی۔

تاریخ فرشتہ نے دوسرا نام کوتوالی شہر دلی علاء الملک کا لیا ہے جس نے اس جابر حکمراں کے سامنے وہ تقریر کی جس کی مثالیں حضرات انبیاء و صحابہ کرام کی زندگیوں میں ملتی ہیں۔

"دین و شریعت کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے ہے اور ان کی نبوت وحی آسمانی سے وابستہ ہے منصب نبوت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا حال سن کر عام وخاص اور چھوٹے اور بڑے سب آپ سے متنفر ہو جائیں گے اور سلطنت میں فساد عظیم برپا ہو جائے گا۔

بادشاہ کو معلوم ہے کہ چنگیز خاں اور اس کی اولاد نے برسوں کوشش کی کہ دین محمدیؐ کو مٹا کر اپنے دین (بت پرستی) کو جو ہزاروں سال سے ترکستان میں رائج تھا جاری کرے اور اسی خیال سے انھوں نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا لیکن ان کی کوشش بارآور نہ ہوئی اور آخر کار یہ سب لوگ خود مسلمان ہو گئے۔"

خلجی پر علاء الملک کی اس تقریر کا ایسا اثر پڑا کہ وہ بول پڑا۔
"آنچہ تو گفتی ہمہ صواب و موافق نفس الامر است باید کہ من بعد ایں قسم سخن از من صادر نہ شود۔" (مسلمانوں کا عروج و زوال بحوالہ فرشتہ جلد اول ص ۳۶۵)

ٹھیک ہے، جو تو کہتا ہے وہ حقیقت ہے۔ میں آئندہ ایسی گمراہ بات منہ سے نہیں نکالوں گا۔

اس اسلامی دلی پر کچھ کم آٹھ سو برس گزرے ہیں۔ اس طویل دور میں اس سرزمین پاک سے کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے اور کیسے کیسے باکمال افراد نے باہر سے آکر

اس کی عظمت کو چار چاند لگائے۔ پیشِ نظر کتاب "الواح الصنادید" کی دوسری جلد میں اس کا تعارف کرایا گیا ہے۔

کتاب کے اندر سرزمین دلی میں آسودہ راحت حضرات کا تذکرہ ہے لیکن فاضل مصنف کا یہ تعارف نامکمل رہے گا جب تک اس میں دلی کی سرزمین کے گم نام گوشوں میں آرام کرنے والے حضرات کا تذکرہ نہ ہو اور اسی طرح ان ناموران دلی کا ذکر خیر نہ ہو جنھوں نے دلی کی خاک پاک سے جنم لیا مگر دلی سے باہر مختلف مقامات میں اپنے تاریخ ساز کارنامے چھوڑے اور وہیں آسودہ راحت ہو گئے۔ لہ

فاضل مصنف نے دلی کے مشہور مقابر کی بڑی محنت سے چھان بین کی ہے اور اس دائرے میں ان کی تحقیق کامیاب ہے۔

فاضل مصنف نئی پود کے علماء میں تحریر کی صلاحیت سے خاص طور پر آراستہ ہیں، شروع ہی سے مضمون نگاری میں محنت اور مطالعہ کرتے رہے ہیں اور بہت جلد انھیں پختہ کاری کے دائرہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

تقریر کا شوق انھیں اب شروع ہوا ہے، جس کی طرف اس عاجز نے جامعہ رحیمیہ کے پانچ سالہ دور اہتمام (جسے یہ خاکسار شاہ عبدالقادر صاحب کی توجہات کا کراماتی دور سمجھتا ہے) میں بار بار متوجہ کیا، لیکن مصنف کی فطری خودداری شاید وعظ گوئی کو مناسب نہیں سمجھتی تھی۔ بالآخر قرآن کریم کی تفسیر نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ خاکسار اپنے درس تفسیر میں آتے جاتے مولانا عطاء الرحمن صاحب کے چہکنے اور لہکنے کی آواز سنتا ہے اور اسے خوشی ہوتی ہے کہ یہ نوجوان فاضل مولویت کے دونوں

لہ خاکسار کے اس پیش لفظ میں ان دونوں طبقوں کے تقریباً (۲۵) علم و فضل کا تذکرہ موجود تھا مگر اختصار قائم رکھنے کی خاطر وہ تذکرہ شامل نہیں رکھا گیا خاکسار کے مجموعہ مقالات (خطبات دہلی) میں اسے دیکھا جائے۔ (اخلاق حسین)

ہتھیاروں سے لیس ہو گیا ہے۔

اب کہیں مار نہیں کھائے گا۔

اور وہ وقت دور نہیں جب دوسرے مصنفین مولانا عطار الرحمن قاسمی سے تعارف، تبصرہ اور مقدمہ لکھوانے کی سفارش کریں گے اور اس وقت ہماری عمر کے نیازمند عالم برزخ کے جھروکوں سے ان کے عروج و ترقی کا نظارہ کرکے خوش ہوں گے۔

فاضل مولف کی مثال کو سامنے رکھ کر ہم اپنی مرکزی تعلیم گاہوں (جن کا تعلق ولی اللہی علوم اور قاسمی اور گنگوہی فیوض کی اشاعت سے ہے) ناامید نہیں ہو سکتے، البتہ آج کے دور میں ہمارے یہ ادارے صلاحیت پروری کے بجائے اقربا پروری کے جن مہلک جذبات کی طرف مائل نظر آرہے ہیں انہیں محسوس کرکے صدمہ ہوتا ہے۔

ہمارے اسلاف نے اپنے تمام وابستگان علم کو اپنی اولاد کے برابر ہی سمجھا اور صلاحیت پروری اور تقویٰ نوازی کا اعلیٰ ترین مظاہرہ کرکے افراد سازی کا پیغمبرانہ فرض ادا کیا۔

اس فرض منصبی اور وجوب دینی میں اگر کمزوری نے جگہ بنالی ہے تو اسے دور کرنا ضروری ہے۔

ولی اللہی اور قاسمی نسبت اگر خاندانوں میں تقسیم ہو جائے گی تو تاریخ کا سبق یہ ہے کہ وہ ماضی کا ایک خیالی افسانہ بن کر رہ جائیگی۔

اخلاق حسین قاسمی

ادارہ رحمت عالم ۲ شیخ چاند لال کنواں دہلی۔

۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۱ء

تقریظ

از مولانا فقیہ الدین صاحب، مہتمم جامعہ رحیمیہ نئی دہلی

کتاب الواح الصنادید (جلد اوّل) طبع ہو کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے دینی و اسلامی اور تاریخی حلقوں میں اس کو بہت پسند کیا گیا۔ اخبارات و رسائل میں بکثرت اس پر ریویو لکھے گئے۔ یہ کتاب بامقصد تھی، اس میں قبرستان مہندیان کے مدفون اکابر، محدثین، علماء اور دانشور حضرات کے کتبات کے ذریعہ ایک مختصر تعارف عوام کے سامنے آیا اور ان بزرگوں کی یاد تازہ ہوئی۔

مصنفِ کتاب مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی صاحب کی بہت ہمت افزائی ہوئی اور انھوں نے طے کیا کہ اسی طرز پر دہلی کے تمام قبرستانوں میں مدفون اکابر اور اہل کمال کا تذکرہ بھی مرتب ہو جائے۔ ان کی ہمت اور اولوالعزمی نے ان کا ساتھ دیا اور وہ دہلی کے قبرستانوں کے چکر لگاتے رہے اور ان کے مقابر پر کتبات کو دیکھ کر ان کی تاریخ مرتب کی جو اس جلد ثانی میں پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ یہ ان کا کارنامہ ہے۔ انھوں نے دہلی والوں کا حق چھین لیا، وہ دہلی سے بہت دور صوبہ بہار کے رہنے والے ہیں مگر ان کے تصنیفی ذوق و شوق نے ان کو پھر آمادہ کیا کہ دوسری جلد مکمل کریں۔ ایک ایک قبرستان کی چھان بین کر کے انھوں نے یہ کتبات لکھ کر ایک مستقل تاریخ مرتب کر دی۔ ان کے اس دوڑ میں مجھ کو بھی ان کے ساتھ ان قبرستانوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ حقیقت میں انھوں نے بڑی گہری نظر اور جستجو سے یہ کام انجام دیا۔

اس کتاب میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں جو قبریں ہیں ان کے کتبات بھی ترتیب دیئے۔ اسی طرح درگاہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ، درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ، درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی اور بہت سے نامور درگاہوں اور مشہور

قبرستان دلی گیٹ، قبرستان شیدی پورہ، قبرستان حضرت نظام الدین اولیا، درگاہ شاہ ابوالخیر اور بہت سے قبرستانوں کے کتبات لکھ کر مرحومین کی شخصیات کو نمایاں کر دیا جن میں سے بہت اہم شخصیات کی یاد تازہ ہوگئی۔ ایک طرح سے اس کتاب کے ذریعہ دہلی کی سیکڑوں برس کی تاریخ سامنے آگئی۔

امید ہے کہ یہ کتاب جلد ثانی بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے پسند کی جائے گی۔ مورخین و مرتبین کتاب تاریخ کے لیے ایک رہنما ثابت ہوگی۔

میں مولانا مفتی عطاء الرحمن صاحب استاذ حدیث و تفسیر جامعہ رحیمیہ درگاہ امام شاہ ولی اللہؒ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے اپنی محنت اور خلوص سے ایک عظیم تاریخی کارنامہ انجام دے کر ہم سب کو شکر گزار کیا۔

العبد العاجز

فقیہ الدین

مہتمم جامعہ رحیمیہ مہندیان، نئی دہلی

۱۸ر دسمبر سنہ ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

دلی کو دارالسلطنت ہونے کا شرف تو ہمیشہ حاصل رہا اور اب تک ہے اور اسی حیثیت سے لوگ دلی کو پہچانتے اور جانتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ سرزمین دلی کو اگر ایک طرف اولیاء اللہ منور کرتے رہے تو دوسری طرف فقراء و صوفیاء نے بھی اپنے وجود باجود سے اس کو ہمیشہ معمور رکھا۔

ادھر شعراء نے بھی اپنی نغمہ سنجیوں سے اس کی فضاؤں میں رس گھولا، تو ادباء نے بھی اس کے نکھار میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور زعماء اور علمائے ملّت بھی اپنے دریا ہائے علوم و فنون سے اس کو ہمیشہ سیراب کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ دلی صرف ہندوستان ہی کا دل نہیں بلکہ سارے جہاں کا دل مانی جاتی ہے۔

دلی اپنی فطری خوبصورتی اور غیر معمولی جاذبیت میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے اور قلعۂ معلیٰ کے دربار خاص کی پیشانی پر کندہ یہ شعر ان ہی حقائق کی عکاسی کرتا ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

اسی لئے دلی ہر دور میں سیاحوں کے لئے غیر معمولی کشش اور جاذبیت کا سبب بنی رہی ہے اور ان سیاحوں اور فنکاروں کے قلوب کو مسخر کرتی رہی ہے۔

شعراء تو دلی کے قدرتی حسن و جمال پر فریفتہ و وارفتہ نظر آتے، مگر علماء و مشائخ کا حلقہ بھی دلی کی رفعت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ علماء و مشائخ کے سرخیل

اور خانوادۂ ولی اللّٰہی کے مایہ ناز فرزند، سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز دلی کی عظمت و تقدس کے تاثرات کا اظہار اپنے عربی کلام میں اس طرح فرماتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

یامن یسائل عن دھلی و رفعتھا علی البلاد وما حازتہ من شرف	اے وہ شخص جو دہلی کے حالات اور دیگر شہروں پر اس کی رفعت اور بزرگی کے متعلق دریافت کرتا ہے۔
ان البلاد آماء وھی سیّدۃ وانھا درۃ والکل کالصدف	(تو سن) کہ بیشک دہلی آقا اور سردار ہے۔ اور تمام شہر اس کی باندیاں، دلی موتی ہے اور تمام شہر ایسے ہیں جیسے سیپیاں۔
فاقت بلاد الوریٰ عزا و منقبۃ غیر الحجاز وغیر القدس والنجف	عزت اور منقبت میں تمام شہروں پر دہلی فوقیت رکھتی ہے سوائے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ بیت المقدس اور نجف شریف کے۔

دلی بار بار لٹی اور اجڑی، دلی والے بار بار تباہ و برباد ہوئے بقول شخصے ؎

بنی ہوئی تیری قسمت بگڑ گئی دلی
بسی ہوئی تیری بستی اجڑ گئی دلی!

مگر دلی اور دلی والوں کی تہذیب و روایات کی رنگینی اور تقدس اسی آب و تاب کے ساتھ قائم ہے۔ دلی کے اسی روایتی تقدس کو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیں ؎

لسکّانھا جمال الارض قاطبۃ خلقا و خلقا بلا عجب ولا صلف	اس کے باشندے یقیناً دنیا کی خوبصورتی اور رونق ہیں اپنی سرشت اور اخلاق دونوں میں اور تکبر سے بری ہیں۔

اپنے وطن سے تو دنیا کو محبت ہوتی ہی ہے لیکن دلی کو یہ خصوصیت قدرت نے عطا فرمائی

ہے کہ دلی میں جو آیا وہ دلی کے حسین وجمیل ماحول وفضا میں اس طرح کھو گیا کہ چند برسوں بعد نہ صرف یہ کہ اپنا وطن اس کو یاد نہیں رہا بلکہ دلی کی آغوش راحت کوش میں ایسا لطف زندگی پایا کہ دلی ہی کو وطن بنانے پر مجبور ہو گیا بلکہ دہلوی کہلانے پر فخر محسوس کرنے لگے۔ اسی لئے آپ کو لاکھوں کی تعداد میں ایسے اہل ہنر اور اولیاء اللہ اور علماء و امراء و سلاطین ملیں گے جنھوں نے دلی کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں اپنی طبعی عمریں پوری کر کے خاک دلی کے پیوند ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ دلی کے چپے چپے پر ایسے ایسے صاحب علم وہنر اور علوم وفنون کے ماہر، اولیائے کرام، صلحاء عظام، ملوک وسلاطین آرام فرما ہیں، جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ بقول مولانا حالی ؎

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

مگر افسوس کہ یہ یگانۂ روزگار ہستیاں پردۂ مرور زمانہ میں مستور ہو گئی ہیں اور اپنی تمام فنی اور علمی روحانی اور مادی مہارتوں اور اقدار کے باوجود ان پر گمنامی کا پردہ پڑ گیا ہے۔ اور آج کی نسل اپنے اکابر کی رفعتوں سے نابلد ہوتی جا رہی ہے لہذا ضرورت تھی کہ ان گوہر ہائے تابناک کی تابناکیوں پر گمنامی کی گرد وغبار کو دور کیا جائے تاکہ آج کی دنیا بھی ان کی ضیاء پاشیوں سے روشنی حاصل کر سکے اسی لئے اس سلسلے کو شروع کیا گیا اور اس کی پہلی کڑی "الواح الصنادید" کے عنوان سے منظر عام پر آکر قبولیت عام حاصل کر چکی ہے۔

بڑی خوشی ومسرت کا مقام ہے کہ الحمد للہ "الواح الصنادید" ہند وپاک کے علمی وتحقیقی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئی ہے جیسا کہ مختلف تحقیقی وعلمی کتابوں میں "الواح الصنادید" سے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔ حال ہی میں ڈاکٹر خلیق انجم نے "آثار الصنادید" کی جدید ترتیب میں متعدد حوالے نقل کئے ہیں، اسی طرح دار العلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا ظفیر الدین مفتاحی نے بھی اپنی کتاب "تاریخ مساجد" میں

متعدد حوالے نقل کئے ہیں، اس کے علاوہ ہندوستان کے موقر جرائد و مجلات مثلاً ماہنامہ "برہان" دہلی، ہفت روزہ "نقیب" پٹنہ، ہفت روزہ "ہماری زبان" انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ماہنامہ "آجکل" دلی، پندرہ روزہ "دعوت وعزیمت" دہلی، ماہنامہ "ایوان اردو" اردو اکاڈمی دہلی، ماہنامہ "الفیصل" حیدر آباد اور "آزاد ہند" کلکتہ میں بہت ہی موقر انداز میں تبصرے شائع کئے ہیں، جو اس کی مقبولیت کی کھلی دلیل ہے۔ اور زیر نظر کتاب اس کی دوسری کڑی کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہے گویا یہ "الواح الصنادید" ہی کا دوسرا حصہ ہے۔

"الواح الصنادید" حصہ اول میں شیخ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے جوار میں ممتاز و عظیم ہستیوں کی زندگی، تاریخ ساز کارنامے اور الواح تربت کا مفصل تذکرہ تھا۔ "الواح الصنادید" حصہ دوم میں درگا قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، درگاہ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء، درگاہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ، درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی، درگاہ حضرت سرمد شہید، درگاہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں نیا قبرستان دلی گیٹ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں آرام فرما اولیاء کرام، مشائخ عظام، امراء وسلاطین، علماء، فضلاء، شعراء اور ادباء کی تابناک زندگی اور تاریخی کارنامے اور ان کی قبروں، لوحوں اور تختیوں کا ذکر ہے۔

میں ممنون کرم ہوں حضرت مولانا فقیہ الدین صاحب مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی کا کہ آپ نے بڑی محنت ومشقت برداشت فرما کر احقر کے ساتھ ان درگاہوں، قبرستانوں میں تشریف لے گئے اور ان قبروں پر لگائے گئے کتبوں اور لوحوں کو نقل کرانے اور اصحاب قبور کے تعارف میں احقر کی رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر اور سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ممنون ومشکور ہوں کہ انھوں نے حسب روایت میری بڑی علمی وادبی امداد فرمائی۔

اب میں یہاں اپنے چند مخلص دوستوں اور ایک مخلص بزرگ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔
—— چند دوستوں میں جناب نعیم الحسن عمری صاحب اسسٹنٹ منیجر فورڈ کارپوریشن، عثمان خالد قریشی اور رضوان عابد قریشی ہیں جو مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور میری چیزوں کی قدر کرتے ہیں۔
—— مخلص بزرگ حضرت مولانا سیّد غیاث الحسن مظاہری صاحب ایڈیٹر ماہنامہ ''دینی مدارس''، ہیں جو مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں اور برابر اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں، موصوف کتاب پر تقریظ تحریر فرمانے والے تھے لیکن خرابی صحت کی وجہ سے نہ لکھ سکے جس کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔
—— آخری بات —— یہ کتاب الواح الصنادید حصہ دوم مولانا آزاد اکیڈمی سے شائع کی جارہی ہے۔ مولانا آزاد اکیڈمی سے انشاء اللہ آئندہ بھی علمی، تحقیقی اور تاریخی کتابیں شائع کی جائیں گی۔ اور امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی شخصیت پر کام کیا جائے گا اور مولانا آزاد کی شخصیت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے گا جن پر اب تک کام نہ ہوسکا ہے۔

عطاء الرحمن قاسمی

استاذ حدیث و تفسیر جامعہ رحیمیہ مہندیان میر درد روڈ
نئی دہلی ۲

۱۹ر دسمبر ۱۹۹۱ء مطابق ۱۱ر جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکیؒ سلسلۂ چشت کے جلیل القدر شیخ طریقت اور درویش کامل تھے۔

خواجہ صاحب کی ولادت باسعادت ۵۶۹ ھ میں ترکستان کے شہر اوش میں ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خواجہ سید موسیٰؒ تھا خواجہ صاحبؒ ظاہری تعلیم و تربیت کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حکم سے دہلی میں قیام پذیر ہو کر خلقِ خدا کی اصلاحِ ظاہر و باطن میں مصروف ہو گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ عشقِ خداوندی میں ہمہ وقت اس طرح مستغرق رہتے تھے کہ بسا اوقات دنیا کے بڑے بڑے حادثہ کی آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ:

"شیخ الاسلام قطب الدین کا ایک چھوٹا بیٹا تھا، وہ فوت ہو گیا اس کو دفن کر کے جب واپس آئے تو آپ کی زوجۂ محترمہ نے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے ایک رفیق شیخ بدر الدین غزنویؒ سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے کہا! مخدوم زادہ فوت ہو گیا ہے، ان کی والدہ غم سے بے قرار ہو کر آہ و زاری کر رہی ہیں۔ آپ افسوس کرنے لگے اور فرمایا: کہ اگر مجھے اس کی علالت کا پتہ ہوتا تو میں ضرور اس کی زندگی کے لئے

خدا سے دعا کرتا۔ یہ بیان کر کے سلطان المشائخ نے فرمایا: دیکھو استغراق کس درجہ کا تھا کہ اپنے بیٹے کی زندگی یا موت کی خبر نہیں۔"

(آبِ کوثر ص ۲۱۳ ۔ ص ۲۱۵)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا انتقال ۶۳۳ھ میں ہوا اور سلطان شمس الدین التمش کے علاوہ دہلی کے فقراء، مشائخ اور عوام و خواص آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور جب جنازہ تیار ہو گیا اور نماز جنازہ کے لئے امامت کا مسئلہ سامنے آیا تو مولانا ابو سعیدؒ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وصیت بیان کی کہ:

"حضرت خواجہ ما وصیت	ہمارے خواجہ نے وصیت فرمائی
فرمودہ کہ امامت جنازہ من کسے	ہے کہ میرے جنازہ کی نماز وہ
کند کہ از او بندش بحرام نہ کشادہ	شخص پڑھائے کہ جس نے
باشد و سنت نماز و تکبیر اولیٰ گاہے	کبھی حرام نہ کیا ہو اور جس سے
از او فوت نہ شدہ باشد"	سنتِ عصر اور تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ
(سیر الاقطاب ص ۱۶۰)	ہوئی ہو۔

جب حضرت خواجہ صاحب کی یہ وصیت لوگوں کو معلوم ہوئی تو لوگ حیران تھے کہ ایسا شخص کون ہو سکتا ہے، جو اس شرط کو پورا کرے اور آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائیگا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا آخر سلطان شمس الدین التمشؒ روتے ہوئے آگے بڑھے اور فرمایا کہ:

"مجھے ہرگز منظور نہ تھا کہ کسی کو میرے حال سے آگاہی ہو، مگر قطب الاقطاب کی مرضی سے چارہ نہیں۔"

لہٰذا سلطان نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو مہرولی میں اسی جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کو آپ نے اپنی زندگی میں آخری آرام گاہ کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔

سلطان شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمشؒ ہندوستان کے خود مختار اور دیندار بادشاہ تھے۔ آپ نے تقریباً پچیس سال تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے۔

حوض شمسی اور قطب مینار آپ کی یادگار ہیں۔ پروفیسر خلیق نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حوض شمسی اور قطب مینار محض تعمیری کارنامے نہیں تھے، وہ زبردست تہذیبی نشانیاں تھیں جو تمدن کے ایک نئے دور کا آغاز کا اعلان کرتی تھیں اور جن کے پیچھے عزم جہانبانی کے ساتھ ساتھ فرائض دینی اور خدمتِ خلق کے بے پناہ جذبات کارفرما تھے۔"

(سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۱۰۱)

سلطان شمس الدین التمش خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے عقیدت اور ارادت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ باضابطہ مرید بھی تھے۔ سلطان شمس الدین صاحبِ دل بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ غرباء و مساکین اور شعراء کی بڑی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ مشہور شاعر ناصری شاہی دربار میں باریابی کی غرض سے دہلی حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ حضرت قطب الاقطابؒ نے فرمایا:

"جاؤ بہت انعام پاؤ گے"۔

ناصری نے چھپّن اشعار کا ایک قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھا اور دربار میں پیش کیا۔ سلطان نے کچھ التفات نہ کیا، ناصری سخت پریشان ہوا اس نے اپنے دل میں حضرت قطب الاقطابؒ سے مدد چاہی۔ مدد کا چاہنا تھا کہ سلطان نے ناصری کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

ہاں! قصیدہ پڑھو۔

اس نے قصیدہ پڑھا۔

قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔ ؎

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ
تیغ تو مال و فیل ز کفّار خواستہ

سلطان شمس الدین التمش قصیدہ سن کر بہت خوش ہوا۔ ناصری کو چھپّن ہزار روپے بطور انعام دیئے۔ روپیہ لے کر ناصری خوش خوش حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، سب روپے آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اس میں سے کچھ قبول نہیں فرمایا۔ وہ واپس چلا گیا۔

(جواہر فریدی ص۱۸۱)

سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ۲ر شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۶ء میں ہوا اور مسجد قوت الاسلام کے عقب میں آپ کا مقبرہ ہے، اور عام سلاطین کے مقبروں کی طرح آپ کا مقبرہ بھی خستہ حالت میں ہے۔

قاضی حمید الدین ناگوری

قاضی حمید الدین ناگوریؒ جامع کمالات معنوی وصوری تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استاذ تھے، آپ بہت بڑے عالم دین اور خدارسیدہ بزرگ تھے۔ آپ بخارا کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عطار اللہ محمودؒ تھا۔ آپ بخارا کے بادشاہ تھے۔ آپ سلطان عطار اللہ سے مشہور تھے۔

قاضی حمید الدین ناگوری اپنے عہد کے جلیل القدر شیخ طریقت، اور روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ متبحر عالم دین اور بلند پایہ فقیہہ تھے، سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو ناگور کا قاضی منتخب کیا تھا، آپ تیس سال تک منصب قضا پر رونق افروز رہے اور ہزار ہا مقدمات اور قضایا کے بڑے دانشمندانہ فیصلے کئے اور آپ نے جب حرمین شریفین جانے کا ارادہ فرمایا تو اپنے صاحبزادے مولانا ظہیر الدین صاحب کو مسند قضاء پر بیٹھایا، اور صاحبزادے محترم نے بھی منصب قضاء کی نازک ذمہ داریوں کو بڑی دوراندیشی اور دیانتداری سے نبھایا۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا وصال ۹ رمضان المبارک ۶۴۳ھ میں ہوا اور قطب صاحب میں دفن ہوئے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے پائنتوں، سنگِ مرمر کے حجرے کے احاطے کے باہر، قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار ہے۔

مولانا فخر الدین دہلوی

مولانا فخر الدین دہلوی مولانا شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے صاحبزادے و جانشین تھے۔ آپ علومِ شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ نہایت ہی سادگی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی فرماتے تھے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ رسالہ مرجیہ، رسالہ عین الیقین اور نظام العقائد وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

مولانا فخر الدین دہلوی کا انتقال ۱۱۹۹ھ میں ہوا اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں مدفون ہیں اور آپ کی قبر مسجد کی دیوار سے متصل ہے۔

لوحِ مزار پر یہ اشعار موجود ہیں۔

بگذاشت فخر دین چوں مہمان سرائے فانی
بر آستانہ جا داد آں قطب جاودانی
سالِ وصالِ آں ماہ از غیب چوں بجستم
تاریخ گفت ہاتف : خورشید دوجہانی
۱۱۹۹ھ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی محدث جلیل، فقیہ کبیر اور شیخ طریقت تھے۔ آپ کی ولادت محرم الحرام ۹۵۸ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ سیف الدین سیفی قادری تھا۔ وہ ایک صوفی منش شاعر اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔

شیخ سیف الدین نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت پر کافی توجہ کی اور صاحبزادہ محترم نے بھی اپنی فطری ذہانت و فطانت کی وجہ سے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں علومِ قرآن و حدیث کی تحصیل و تکمیل سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد آپ فتح پور سیکری تشریف لے گئے جو ان دنوں شہنشاہِ اکبر کا دارالسلطنت تھا۔

شیخ عبدالحق محدث نے فتح پور سیکری میں بیٹھ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع فرمایا اور بہت جلد آپ کی تبحر علمی اور جلالت شان کا شہرہ دور دور ہو گیا اور آپ کی علمی قابلیت اور وہبی صلاحیت کی بنا پر ابوالفضل فیضی، مرزا نظام الدین اور ملا عبدالقادر بدایونی جیسے حضرات کو بھی آپ سے قلبی لگاؤ ہو گیا اور اسی تعلقِ خاطر کی بنا پر ان حضرات نے حضرت شیخؒ کو دنیا کی طرف مائل کرنا چاہا اور اکبر بادشاہ کے دربار تک رسائی کرا دی لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو بچا لیا۔

چنانچہ شیخ "زاد المتقین" میں لکھتے ہیں:

"جب اللہ کے فضل و کرم سے مجھے (علم کا) خاصہ حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا اور میں بادشاہ وقت (اکبر) اور

امراء کے پاس گیا۔ انھوں نے میری طرف بہت توجہ کی، میرا رتبہ بلند کیا بلکہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں۔ اور مجھ ضعیف سے اپنی قوت میں اضافہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔"

(رود کوثر ص ۳۴۹)

۹۹۶ھ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور اسی سفر میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور ان کے فیوض و برکات سے کمالات باطنی میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اور اپنے شیخ کے اشارہ پر آپ دہلی آکر رشد و ہدایت کا باضابطہ آغاز فرمایا اور ایک مدرسہ بھی قائم فرما کر قرآن و حدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بعد والوں کے لئے اکتساب فیض کا ذریعہ مہیا فرمایا اور حسب ذیل اہم و مفید تصنیفات بطور یادگار چھوڑیں، لمعات شرح مشکوٰۃ، مرج البحرین، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، لطائف الحق اور مدارج النبوۃ وغیرہ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۲ ربیع الاول ۱۰۵۱ھ کو مولائے کریم سے جاملے۔ آپ کا مزار مہرولی میں حوض شمسی کے داہنے کنارے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے علمی و روحانی جانشین حضرت شیخ محمد نورالحق محدثؒ ہوئے۔ شیخ نورالحق محدث آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی قبر احاطہ درگاہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ میں ہے۔ آپ کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت منقوش ہے

حضرت شیخ محمد نورالحق محدث

المتخلص بمشارق صاحب تیسر القاری، سراج قرآن السعدین

و زبدۃ التواریخ و بیان الرویار و محی القلوب در مواعظ خلف اکبر

و جانشین حضرت شیخ اجل محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں

نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں اردو و فارسی کے مشہور و معروف شاعر اور مرزا غالب کے شاگردِ خاص تھے۔ فارسی میں نیّر اور اردو میں رخشاں تخلص تھا۔ مرزا نیّر رخشاں کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

لے خبر میری کہ اب غم کی مجھے تاب نہیں
آدمی ہوں، نہ فلک، گرچہ خور و خواب نہیں
آنکھ سے نکلے نہیں جذب ہوئے دامن میں
بجز اشکوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں
آب شمشیر کے اک قطرے سے کیا تر ہو وہ خلق
سات دریا سے جو ہوتا کبھی سیراب نہیں
ایک قطرہ نہ ملے گا تمہیں، منہ دھو رکھو!
زاہدو! بادہ ہے، زمزم کا یہ شور آب نہیں
کن کو احباب سمجھتے ہیں یہ غم ہے رخشاں
یہ نہیں ہے کہ انھیں خاطرِ احباب نہیں

نواب ضیاء الدین احمد نیر رخشاں کا انتقال ۲۷ جون ۱۸۸۵ء میں دہلی میں ہوا اور درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے صندل خانہ میں اپنے والد نواب احمد بخش خاں کے پہلو میں دفن ہوئے

مرزا سعید الدین احمد خاں طالب

مرزا سعید الدین احمد خان طالب کی ولادت ۱۸۵۲ء میں ہوئی ان کے والد کا نام نواب ضیا الدین احمد خان نیر رخشاں تھا۔ مرزا سعید الدین احمد خاں طالب اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ نو مشقی کے ابتدائی زمانے میں ثاقب اور غالب سے اصلاح لی۔ ان کی وفات کے بعد چند دن سالک اور مولانا حالی سے مشورہ سخن کرتے رہے اور آخر میں اپنے والد کے کہنے پر میر مہدی مجروح کو کلام دکھانے لگے تھے، لیکن ان کی شخصیت پر مرزا غالب کا اثر غالب تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

یہ سب کچھ ہے طفیلِ حضرت غالب
وگرنہ ہم میں طالب! خاک طاقت ہے

زمانے کی حیا سے ہو گیا ہمراہ قاتل بھی
اٹھا جس دم جنازہ طالب مہجورِ جاناں کا
کسی نے اس سے یوں پوچھا کہ کس کے ساتھ جاتے ہو
تو بولا: ہے جنازہ ایک بیچارے مسلماں کا

مرزا طالب کا انتقال پر ملال ۳۱ اگست ۱۹۱۹ء مطابق ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ میں ہوا اور درگاہ قطب صاحب میں صندل خانہ میں دفن ہوئے۔

شجاع الدین احمد خاں تاباںؔ

شجاع الدین احمد خاں تاباںؔ کی ولادت ۲۳ر دسمبر ۱۸۶۱ء میں ہوئی ان کے والد کا نام مرزا شہاب الدین احمد ثاقبؔ تھا، جو مرزا غالبؔ کے شاگرد تھے۔

تاباںؔ فارسی زبان میں کامل دستگاہ وعبور رکھتے تھے۔ حضرت داغؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ بڑے ہی مشّاق اور زود گو تھے۔

نمونۂ کلام

تاباںؔ نے غالبؔ کی زمین میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ کہا ہے

اس کی شانِ گوناگوں ہم پر نمایاں ہو گئیں — کیسی کیسی صورتیں پیدا و پنہاں ہو گئیں

اس کے پرتو سے ہے ان میں جلوہ ہائے رنگ رنگ — میری آنکھیں گردشِ رخسارِ جاناں ہو گئیں

دل کو مخفی تھی بنات النعش کی نازی گری — رات کے پردے میں کھل کھیلیں کہ عریاں ہو گئیں

نیرؔ و غالبؔ کا تاباںؔ تو ہی ہے زلہ ربا — تجھ سے ذرّے پر شعاعیں ان کی تاباں ہو گئیں

تاباںؔ نے ۱۶ر اپریل ۱۹۲۸ء میں انتقال فرمایا، مہرولی میں صندل خانہ میں آرام فرما ہیں۔ لوحِ مزار پر تاریخِ وفات ۲۶ر اپریل کندہ ہے۔

مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباںؔ

تاریخ وفات

۲۶ر اپریل ۱۹۲۸ء

نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلوی

ابوالمعظم نواب مرزا سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلویؒ کی ولادت مورخہ ۲۰ر شوال المکرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں دارالسلطنت دہلی میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب تھا جو بڑے صاحب علم و فضل اور کہنہ مشق شاعر تھے۔

نواب سائلؔ اردو کے قادر الکلام شاعر اور نواب استاذ داغؔ دہلویؒ کے جانشیں تھے۔ آپ دلی کی ٹکسالی زبان میں بڑے فصیح و بلیغ اشعار کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سیماب اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں۔

> حضرت سائلؔ کی زبان وہی دہلی کی ٹکسالی ہے جس کا سکہ آج تمام ملک میں جاری ہے۔ سلاست اور روزمرہ ان کے یہاں بحد اتم موجود ہے۔ محاورات کا انضباط مرزا داغؔ مرحوم کی طرح ان کے یہاں بھی ہے لیکن سائلؔ خیال کی بلندی، اسلوب کی شگفتگی اور زبان کی سلاست میں اپنے تمام برادران خواجہ تاش میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔
>
> (تذکرہ سائل ص۱۴۴)

حضرت بیخودؔ دہلویؒ، آغاز قزلباش دہلویؒ، پنڈت تربھون ناتھ زتشی، زارؔ دہلوی اور حضرت سائلؔ دہلویؒ، حضرت مرزا داغؔ دہلوی یہ چار نامور و مستند تلامذہ تھے، ان میں ہر ایک حضرت داغؔ کی جانشینی کا دعویدار تھا اور ایسی صورت میں ان کے مابین رقابت کا ہونا اور نوک جھونک چلنا ایک فطری امر تھا مگر جانشینی و خلافت کے مدعی سائلؔ مرحوم

ہی تھے اور وہی استاذ داغ کے جانشین تسلیم کیئے گئے۔ حضرت سائل مرحوم فرماتے ہیں ؎

ہمیں جانشین داغ، ہم کو ماننا ہوگا
جناب داغ کے داماد ہیں ہم دلّی والے ہیں

اور حقیقت یہ ہے کہ فن شاعری میں آپ کی مہارت اور قادر الکلامی بھی اسی کے متقاضی کہ آپ کو داغ کی جانشینی کا شرف حاصل ہو اور اس کے ثبوت کے لئے سائل مرحوم کے چند اشعار ملاحظہ فرمادیں ؎

تمہاری یاد فرمائی سے لوں میں ہچکیاں کب تک
بچے ان لطف کے جھٹکوں سے جانِ ناتواں کب تک
ابھی چٹکی میں آیا ہے نکل کر تیر ترکش سے
خبر کیا دوش سے ہستی ہیں آئے گی کمان کب تک
اجازت دے کے دیکھیں تو نگہبان حرم مجھ کو
کہ کب سے میں رہا صرف سجودِ آستان کب تک
گنہگارانِ الفت ترکِ الفت کر نہیں سکتے
انھیں دے رحمتِ حق مژدۂ امن و امان کب تک
جفا کا ہو کے خوگر دیکھ لوں گا چرخ کو تم کو
کہ مل کر ظلم کر سکتے ہو تو تم پیر و جوان کب تک
پچھتّر سال گزرے خاک اڑاتے در بدر پھرتے
ہوئے جائے گا سائل یوں ہی رسوائے جہاں کب تک

ابو المعظم نواب مرزا سائل دہلوی اپنے اخلاق و کردار سے آخر دم تک دلّی کی تہذیب و روایت، مروت و شرافت کی جیتی جاگتی تصویر کا نقشہ پیش کرتے رہے اور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء میں قدرت کی یہ حسین تصویر دہلی ہی کی خاک میں ہمیشہ ہمیش کے لئے روپوش ہوگئی۔

آپ کی قبر درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں صندل خانہ کے اندر واقع ہے۔

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی

مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہاپنوریؒ ایک جلیل القدر عالم دین، وسیع النظر فقیہ اور شریف الطبع انسان تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی ولادت باسعادت ۱۲۹۵ھ میں شاہجہانپور صوبہ اتر پردیش میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عنایت اللہؒ تھا۔

مفتی صاحب ۱۳۱۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا عبد العلی قاسمیؒ اور شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی سے پڑھیں اور ۱۳۱۵ھ میں سند فراغت حاصل کرکے دیوبند سے وطن تشریف لائے اور شاہجہانپور کے مشہور دینی مدرسہ عین العلم میں سلسلۂ درس جاری فرمایا مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا امین الدینؒ بانی مدرسہ امینیہ باصرار تمام دہلی بلاکر مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس اور مفتی کے مناصب جلیلہ پر فائز کیا۔ اور مولانا امین الدین صاحب مرحوم کے وصال کے بعد مدرسہ امینیہ کا منصب اہتمام بھی آپ ہی کو سونپا گیا جس پر آپ مسلسل چالیس سال تک فائز رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں، اور بے لوث خدمت اور انتھک جدوجہد کے ذریعہ معراج ترقی کے آسمانِ ہفتم تک پہونچایا۔

مفتی اعظم صاحب مولانا محمد کفایت اللہ کا شمار جمیعۃ علماء ہند کے بانیوں اور چوٹی کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ نے سالہا سال تک جمیعۃ علماء ہند کی مسند صدارت کو بھی رونق بخشی ہے اور اس کے علاوہ آپ استخلاص وطن کے جہاد میں بھی ہمیشہ نمایاں کردار ادا کرتے رہے اسی بنا پر آپ کا شمار جلیل القدر مجاہدین آزادی میں کیا جاتا ہے اور آپ کی

عمر کا بہت بڑا حصہ انگریزوں کی مخالفت میں گزرا ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ گجرات جیل میں ڈاکٹر انصاری اور خان عبدالغفار خان کے ساتھ چھ ماہ کی قید با مشقت گزاری اور دوسری مرتبہ ڈیڑھ سال قید با مشقت ملتان جیل میں بسر کی۔ یہاں آزادی کے مشہور لیڈر لالہ دیش بندھو گپتا آپ کے ساتھ تھے اور اسی زمانہ میں دیش بندھو گپتا نے حضرت مفتی صاحب سے گلستان پڑھی۔

کانگریس نے جب انگریزی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو حضرت مفتی صاحب نے اس کی پرزور تائید کی اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے سول نافرمانی کی تحریک کی تقویت پہنچائی اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔

حضرت مفتی صاحب اگر ایک طرف علم دین کی مسند پر فائز تھے تو دوسری طرف سیاست کے میدان میں بھی مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔

حضرت مفتی صاحب ایک وسیع النظر مفتی تھے، مولانا شاہ محمد عثمانی صاحب نے اپنی کتاب "ٹوٹے ہوئے تارے" کے اندر لکھا ہے کہ

> "مفتی صاحب ایک دفعہ نواب بھوپال کی دعوت پر اسلامی قانون میں مشورہ کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی صاحبؒ کے ساتھ بھوپال گئے اس موقع پر بعض علماء نے مفتی صاحب پر اعتراض کیا کہ وہ سرکاری مہمان ہیں، جہاں میز کرسی پر کھانا کھایا جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میز کرسی پر کھانا اب صرف نصاریٰ کا شعار نہیں رہا، دنیا میں ہر جگہ علماء اور دیندار حضرات میز کرسی پر کھاتے ہیں اس لئے اس کو اب ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اس فتویٰ سے مفتی صاحب کی وسیع المشربی اور وسعت فکر و نظر کا اندازہ ہوتا ہے"

حضرت مفتی صاحب نے یکم جنوری ۱۹۵۳ء میں درمیانی شب میں وفات پائی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے جوار میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی قبر ظفر محل کے قریب ہی ایک مخصوص احاطہ میں ہے:

مولانا احمد سعید دہلوی

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ عالمِ شہیر، واعظِ بے نظیر اور مفسر جلیل تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۸۳ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد نواب مرزا تھا۔

مولانا احمد سعید دہلوی نے مکتبی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور سندِ فضیلت مدرسہ امینیہ سنہری مسجد چاندنی چوک سے حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں دلّی کے مشہور عالم دین مولانا عبدالرحمٰن راسخ اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

مولانا احمد سعید جمیعۃ علماء ہند کے صفِ اوّل کے اکابر میں تھے کیونکہ آپ کا شمار جمیعۃ علماء ہند کے بانیوں میں ہوتا ہے اور جمیعۃ علماء ہند کے سب سے پہلے ناظمِ اعلیٰ بھی بنائے گئے اور عرصہ دراز تک آپ ہی حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کی زیرِ صدارت جمیعۃ علماء ہند کی قیادت فرماتے رہے۔

مولانا احمد سعید دہلوی نے استخلاصِ وطن میں ہمیشہ قائدانہ کردار پیش فرمایا جس کے نتیجہ میں آپ متعدد بار جیل بھی گئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک شعلہ بیان مقرر اور واعظ بھی تھے۔ مولانا کے مواعظ سے محظوظ ہونے والوں کا کہنا ہے کہ ان کے مواعظ ایسے دلچسپ اور پُر اثر ہوتے تھے کہ سامعین نہایت انہماک کے ساتھ گھنٹوں بلکہ رات رات بھر مولانا کا وعظ سنتے رہتے تھے۔

مولانا احمد سعید دہلوی ایک عظیم مصنف اور عمدہ مفسر بھی تھے۔ آپ نے بہت سی اہم اور دلچسپ کتابیں تصنیف فرمائیں جو عوام و خواص میں بے حد مقبول ہیں جن میں سے

چند یہ ہیں جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا وغیرہ۔

مولانا احمد سعید صاحب نے ترجمہ قرآن مجید مع حاشیہ کشف الرحمٰنؒ کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مقدمہ کے ساتھ شائع بھی ہو چکا ہے اور اہلِ علم کے حلقوں میں کافی مقبول بھی ہے۔

مولانا احمد سعید ایک اچھے شاعر بھی تھے اور آپ کا تخلص اسیر تھا۔ آپ کی غزلیں خصوصیت کے ساتھ عوام و خواص میں بہت پسند کی جاتی تھیں، نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

زندگی سے اپنی گھبرا کر چلے — آئے تھے گھر اور پلٹ کر گھر چلے
بات میری خاک تم سن کر چلے — سیکڑوں الزام مجھ پر دھر چلے
تھا خلاصہ زندگی کا اس قدر — شام آئے شب سے پہلے گھر چلے
ساقیا ظاہر ہو یوں شانِ کرم — میکدے سے ہم جو چلے پی کر چلے
خشک لب میرے رہے پیش نظر — میکدے میں جب مے و ساغر چلے
تیرے صدقے تشنہ لطف و کرم — ہاتھ خالی آئے دامن تر چلے
مقصد اپنا ہو گیا پورا اسیر — مرنے آئے تھے اور کسی پر مر چلے
ایسے آنے سے نہ آنا خوب تھا — شام آئے تھے شب سے پہلے گھر چلے

مولانائے محترم اپنے سینے میں بہت ہی حساس اور دردمند دل رکھتے تھے، اسی وجہ سے آپ ۱۹۴۷ء کے وحشیانہ فسادات کا بہت گہرا اثر تھا اور کسی زخمی پرندہ کی طرح تلملاتے تھے اور میر تقی میر کے یہ شعر گنگناتے تھے ؎

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

خصوصاً ملک کی تباہی و بربادی سے بہت ہی افسردہ اور غمگین تھے دوسری طرف مولانا کو قلب کے عارضے نے گھیر لیا تھا اور آپ کا قلب اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ

جب ڈاکٹروں نے مولانا کے ایکسرے پر نظر ڈالا تو بے ساختہ کہنے لگے کہ یہ مریض اس ایکسرے میں مر چکا ہے۔ اب یہ کیسے زندہ ہیں ہم نہیں کہہ سکتے۔ بالآخر ۴ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو جسد عنصری سے روح پرواز کر گئی، مہرولی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ کے باہر ظفر منزل کے قریب استاذ محترم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کے دائیں جانب دفن ہوئے۔ قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

نذرِ عقیدت

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

۱۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کا نڈر جنرل اور عظیم رہنما

۲۔ جمیعۃ علماء ہند کے روح رواں

۳۔ آفتاب فصاحت و بلاغت

۴۔ شہنشاہِ خطابت

۵۔ عارف اسرار شریعت و طریقت

۶۔ مبلغ اسلام

۷۔ متوکل علی اللہ

۸۔ علم مجلسی میں یکتا

۹۔ سخن فہم اور سخن گو

مفسر قرآن سحبان الہند حضرت علامہ حافظ الحاج مولانا احمد سعید نور اللہ مرقدہٗ

تاریخ وفات ۴ر دسمبر ۱۹۵۹ء بروز بعد نماز مغرب ½ ۷ بجے

نصب کردہ محمد عاشقین ۲۸۳۹ چوڑیوالان

محمد سعید دہلوی

مولانا حافظ محمد سعید کا شمار مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند میں ہوتا ہے۔ آپ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کے فرزند ارجمند، مشہور مجاہد آزادی دلی میونسپل کمیٹی کے ممبر، مکتبہ دینی بکڈپو کے بانی اور ایک اچھے اہل قلم تھے۔

امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ:

"مولانا محمد سعید مرحوم ذہانت و شرافت میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تھے اور بڑے باغ و بہار قسم کے انسان تھے۔"

مولانا محمد سعید کا انتقال ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء بروز بدھ ہوا اور اپنے والد ماجد مولانا احمد سعیدؒ کی پائینتی میں ظفر محل (مہرولی) کے برابر میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی قبر پر لوح لگی ہوئی ہے اور لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶

مولانا حافظ محمد سعید

خلف حضرت مولانا احمد سعید

ولادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۱۴ء بروز بدھ

وفات ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء بروز بدھ

ارشد سعید، ۲۱۱۲ کوچہ چیلان

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی ولادت باسعادت ۶۳۶ھ میں بدایوں اتر پردیش میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ سید احمدؒ تھا، جو مادر زاد ولی اور جید عالم دین تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء ابھی پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا پورا بار بوجھ آپ کی والدہ پر آپڑا مگر آپ کی والدہ بڑی قانع اور باہمت خاتون تھیں۔ لہذا اس نیک دل خاتون نے بڑے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ اس ہونہار فرزند کو نہ صرف پالا پوسا بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کا بھی معقول نظم کیا اور اپنے اس چہیتے فرزند کو سولہ سال کی عمر تک اپنے ہی زیر سایہ بدایوں میں رکھ کر تعلیم دلائی اور جب آپ ابتدائی تعلیم اور اسلامی اخلاق سے پوری طرح مزین ہو گئے تو آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی بھیجا کیونکہ اس زمانہ میں دہلی ہی علوم اور علماء کا مرکز تھی۔

لہذا حضرت نظام الدین اولیاءؒ سولہ سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لائے اور مولانا شمس الدین خوارزمی جیسے متبحر عالم دین (جو اس وقت شمس الملک کے لقب سے مشہور و معروف تھے) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کی اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حدیث کی کتابیں مشہور محدث شیخ محمد بن احمد الماریکلی متوفی ۶۸۴ھ سے پڑھیں اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔

علوم قرآن وحدیث کی تحصیل وتکمیل کے بعد آپ علوم باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور بہت جلد منازل سلوک طے کر کے بابا فرید الدین سے خلعت خلافت حاصل کیا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ صحیح معنوں میں ولی کامل، متبع سنت اور عاشق رسول تھے اور بدعات وخرافات سے آپ بہت ہی زیادہ متنفر رہتے تھے اسی لئے آپ اپنے مریدین ومنتسبین کو غیر اسلامی طریقوں سے سختی کے ساتھ باز رہنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنے وقت کے شیخ کامل اور مصلح اعظم تھے جو بھی آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتا تو نہ صرف یہ کہ اس کی اصلاح ہوتی بلکہ وہ خود مصلح اور شیخ وقت بنجاتا لہذا آپ کے ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں فیض یافتہ اور خلفاء ہیں جنھوں نے بیعت وارشاد اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور مخلوق خدا کو خوب خوب فیض پہنچایا جیساکہ مولانا محمد غوث صاحب نظامی لکھتے ہیں۔

> "آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کئے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا"
>
> (گلزار ابرار قلمی ص۱۱۷)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی پوری ہی زندگی خلق خدا کی اصلاح وتربیت میں صرف ہوئی اور خدا کے بندوں کو خدا سے ملاتے ملاتے خود ہی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جاملے اور اس طرح رشد وہدایت کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔ آپ کی نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی اور ظہر کے وقت آپ کو آپ کے حظیرے میں جس سے خلد بریں کی یاد تازہ ہوتی تھی، جوار رحمت میں سپرد کیا گیا۔

درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے گبند کے اندر سرہانے کی لوح پر سنہرے الفاظ میں لکھا ہے۔

لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شکر کہ در روضۂ حضرتِ غوث الانام — از پے تعمیر شد خانِ فلک احتشام
مہر نسب را شرف، اوج شرف را شہاب — سید عالی نسب میر فلک احترام
بانی او ہاشمی، سالمی او ہاشمی — آنکہ بد وران شان ہست سخن را نظام
از پے تاریخ آن چوں متفکر شدم — کلک خرد زد رقم ! قبلہ گہہ خاص و عام

۹۷۰ھ-۳-۱۵۶۲ء

حضرت امیر خسرو

ملک الشعرا حضرت امیر خسروؒ ۶۵۱ھ میں پٹیالی ضلع ایٹہ یوپی میں پیدا ہوئے
ان کے والد امیر سیف الدین محمود ہزارہ بلخ کے امیر تھے۔ وہ چنگیز خان کے عہد میں
ترک وطن کر کے ہندوستان آگئے اور پٹیالی میں سکونت پذیر ہو گئے، امیر خسروؒ وہیں
پیدا ہوئے۔ امیر خسرو ابھی آٹھ سال کے تھے کہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے آپ کے
نانا عماد الملک سلطان غیاث الدین بلبن کے امرا میں تھے۔ اپنے ہمراہ دہلی لے آئے۔
اور آپ کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ صرف فرمائی اور آپ کو جملہ علوم و فنون سے آراستہ
کیا مگر اتفاق یہ کہ ابھی جوانی میں قدم رکھا ہی تھا کہ ۶۷۱ھ میں آپ کے نانا جان
عماد الملک کا بھی انتقال ہو گیا اور فکر معاش دامن گیر ہو گئی۔ مگر آپ نے کمر ہمت
باندھی اور فکر معاش شروع فرما دی آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صلاحیتوں سے نوازا
ہی تھا۔ لہٰذا دہلی امرا و سلاطین نے اپنا مصاحب بنانا اور اعلیٰ مناصب دینا اپنے
لئے باعث فخر جانا اس طرح آپ دہلی کے متعدد امرا و سلاطین کے مصاحب رہے
اور کم از کم پانچ بادشاہوں کے یہاں تو بہت ہی اہم مناصب پر فائز رہے، ملک الشعرا
حضرت امیر خسرو جامع العلوم والفنون انسان تھے وہ ایک قادر الکلام، غزل گو شاعر
ایک عظیم قصیدہ گو ایک باکمال مثنوی نگار، ایک بلند پایہ نثر نگار، ایک ماہر فن موسیقار
اور ایک جلیل القدر صوفی و درویش تھے۔

امیر خسرو اردو کے عظیم المرتبت شاعر ہیں جنھوں نے نو عمر اور نو زائیدہ اردو زبان

میں شعر و شاعری کی اور بہت ہی اچھی کی مشہور واقعہ ہے کہ :

چار عورتیں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں، امیر خسرو ادھر سے گزرے انھیں پیاس لگ رہی تھی۔ پانی طلب کیا چونکہ ہر دلعزیز تھے اور سب آپ کے کمالات شاعری کے معترف تھے۔ اس لئے ان عورتوں نے بھی کہا کہ ہم لوگ اس وقت اپنے آج کے واقعات کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کو نظم کر دیجئے تب ہم آپ کو پانی پلائیں گے۔ چنانچہ پہلی عورت نے کہا کہ آج میں نے نہایت لذیذ کھیر پکائی تھی اور ایندھن جب کم پڑ گیا تو اس دوسری عورت نے اپنا پُرانا چرخہ اپنے گھر سے لاکر دے دیا کہ اس کا ایندھن بناؤ، جب کھیر پک کر تیار ہو گئی تو یہ تیسری جو ڈھول بجا رہی تھی اس کے پاس ہم دونوں تھوڑی دیر کے لئے جا بیٹھے اور اس درمیان میں ایک کتا آگیا۔

حضرت امیر خسرو نے فی البدیہہ ان بے ربط باتوں کو ایک شعر میں نظم کر دیا جو حسب ذیل ہے۔

کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا
آیا کتا کھا گیا، تو بیٹھی ڈھول بجا

(دہلی کے مشائخ کی ادبی خدمات ص ۳۴)

امیر خسرو کو شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے عقیدت و ارادت ہی نہیں بلکہ عشق تھا حضرت نظام الدین اولیاء کے انتقال کے بعد آپ اپنے پیر و مرشد کی تربت اطہر پر برابر جاروب کشی فرماتے رہتے تھے اور یہ شعر پڑھتے رہتے تھے ؎

گوری سوئے سیج پر مکھ پہ ڈالے کیس
چل خسروؒ گھر اپنے سانجھ ہوئی چو دیس

شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تقریباً ۶ ماہ تک حضرت امیر خسرو زندہ رہے اور بڑے درد و الم کے ساتھ یہ شعر پڑھتے رہے اور اسی عالم میں ۲۹ر ذیقعدہ ۷۲۵ھ بمطابق ۱۳۲۴ء میں اس دار المحن سے دار السرور کی طرف کوچ فرما گئے اور اپنے پیر و مرشد کے جوار میں دفن ہوئے۔

خواجہ ضیاء الدین برنی

خواجہ ضیاء الدین برنی کا شمار اسلامی عہد کے مشہور و مستند مورخوں اور تذکرہ نویسوں میں ہوتا ہے۔ آپ تاریخ فیروز شاہی و حسرت نامہ کے مولف ہیں۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے مقرب اور خاص مریدوں میں تھے اور بڑے ہی لطیفہ گو بزرگ تھے۔

آپ مجموعہ لطائف و ظرافت تھے اور ہر قسم کے کلمات وحکایات یاد تھیں علماء و مشائخ وشعراء کی صحبت میں بہت رہتے تھے اور حضرت امیر خسرو و حسن میر سے بہت محبت تھی اور دونوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ آخر میں آپ بوجہ لطیفہ گوئی وظرافت وفن ندیمی سلطان محمد تغلق کے مصاحب ہو گئے تھے لیکن فیروز شاہ کے زمانہ میں گوشہ نشیں ہو گئے اور جو کچھ پاس تھا اس پر قناعت کی۔ جب انتقال ہوا تو جنازہ پر سوائے بورئے کے کچھ نہ تھا۔ (مزارات اولیاء دہلی ۹۵)

خواجہ ضیاء الدین برنی ۷۵۸ ء میں انتقال فرمایا اور اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار میں دفن ہوتے۔

خواجہ نور محمد بدایونی

حضرت خواجہ نور محمد بدایونیؒ مشہور اہل اللہ میں تھے۔ حضرت نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پوتے، حضرت خواجہ سیف الدین کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ بانی جماعت تبلیغ بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت نور محمد صاحب کے مزار پر مراقب ہوا کرتے تھے اور روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

حضرت نور محمد بدایونی کا مزار قبرستان پنج پیران جنکپوری متصل بستی نظام الدین اولیاء میں ایک چار دیواری میں واقع ہے۔ اسی جگہ مولانا زید میاں صاحب کی والدہ اور اہلیہ بھی آرام فرما ہیں۔

قبرستان پنج پیران میں اکثر اکابر جماعت تبلیغ آرام فرما ہیں۔ اسی قبرستان کے ایک گوشہ ہیں۔ جماعت تبلیغ کے پرجوش مبلغ خالد سیف اللہ صاحب انجنیئر کی اہلیہ محترمہ اور راقم الحروف کی عزیزہ جمال النساء بھی قیامت کی نیند سو رہی ہیں۔ مرحومہ بہت ہی نیک خصلت اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب امیر جماعتِ تبلیغ نے پڑھائی تھی۔ راقم الحروف بھی نماز جنازہ میں شریک تھا۔

اسی قبرستان پنج پیران کی ایک جانب میں ایک قدیم و تاریخی مسجد محمدی واقع ہے۔ اور بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دلی کی اور قدیم و تاریخی مسجدوں کی طرح یہ قدیم مسجد بھی بہت ہی خستہ و ویران حالت میں موجود تھی۔

الحمد للہ اسی قدیم و تاریخی مسجد میں مولانا بشیر احمد راشد الامینی صاحب کے زیر اہتمام مدرسہ معین الاسلام چل رہا ہے اور طالبانِ علومِ نبوت ایک اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

ماہنامہ "دینی مدارس" کے مدیر مولانا غیاث الحسن مظاہری صاحب رقم طراز ہیں کہ "قبرستان کا رقبہ ہزاروں ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ پرانے کاغذات میں اس جگہ کو بستی غیاث پور کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس مسجد کا خسرہ نمبر ۳۶۵ ہے۔ دائیں بائیں تمام عمارتیں ناجائز طور پر اسی مسجد و قبرستان کی جگہ پر بنا دی گئیں۔ اب جبکہ مسجد و قبرستان کی بچی کھچی تھوڑی سی جگہ پر تعمیر و توسیع کا کام شروع کیا گیا تو اس کو ناجائز کہہ دیا گیا۔ (ماہنامہ "دینی مدارس" مارچ ۱۹۹۰ء)

بڑی خوشی کی بات ہے کہ غیاث پور سے شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور ملک الشعراء حضرت امیر خسرو رحمہم اللہ جیسے محب وطن درویشوں کا خصوصی تعلق تھا۔ آج اسی مقدس مقام پر یہ دینی و قومی ادارہ قائم ہوا ہے اور علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہے۔

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ

نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ کی ولادت باسعادت ۱۸۰۶ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نواب محمد مرتضیٰ خاں بہادر تھا۔

نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ نے فارسی اور عربی دلی کے مشہور استاذ میاں جی بالا مال سے پڑھی اور حدیث و تفسیر کی کتابیں مولانا حاجی نور محمد صاحب دہلوی سے پڑھیں، نواب شیفتہ ۱۲۵۵ء میں حج بیت اللہ کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اس دولت بے بہا کے ساتھ ایک اور دولت سے بھی دامن پر کیا کہ وہاں کے مشہور و معروف محدثین شیخ عبداللہ سراج حنفی مکیؒ اور شیخ محمد عابد سندھیؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر ان سے سندِ حدیث حاصل کی اور ذوق سخن کی اصلاح کے لئے حکیم مومن خان مومن کے شاگرد بنے۔

نواب شیفتہ کا شمار اہل اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا سلسلۂ محمدیہ میں بیعت تھے۔ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ آپ منہیات و منکرات سے ہمیشہ مجتنب رہتے تھے۔ نواب شیفتہ بھی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں تھے۔ انگریزوں نے آپ کو بھی گرفتار کر لیا تھا، البتہ پھانسی کے بجائے صرف سات سال کی قید تجویز ہوئی تھی۔

نواب صدیق حسن بھوپالی مرحوم نے آپ کی رہائی کے لئے بڑی جدوجہد کی تھی، نتیجہ کے طور پر کامیابی نصیب ہوئی لیکن سرکاری وظیفہ بند اور ذاتی جائیداد کا بھی نصف حصہ ضبط ہو گیا تھا اور آپ معاشی اعتبار سے نہایت تنگ دست ہو گئے

تھے۔ چنانچہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ مرحوم لکھتے ہیں :

"نواب شیفتہ جیسا صبر و استقلال میں نے کسی انسان میں نہیں دیکھا، تسلیم و رضا کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے کہ جب آپ گرفتار تھے تو ایک دن محافظ پولیس کے دستہ میں پا پیادہ سڑک پر جا رہے تھے۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا پھر آپ کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکلا، تیری شانِ کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی میں تو اس سے بہت زیادہ مستحق تھا۔"

نواب محمد مصطفےٰ خان شیفتہ ایک اچھے مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ترغیب السالک الی احق المسالک اور تذکرہ گلشن بے خار آپ کی یادگار ہیں۔

نواب شیفتہ کے چند متفرق اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

نہ کر خطا پر نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہے احباب کا

آزاد ہے عذاب دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیر سلسلۂ تابدار کا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ آئین عشق میں ہوتا ہے کیا کیا

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں

نواب شیفتہ نے ۱۸۶۹ء میں انتقال فرمایا اور آپ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار میں اپنے آباء و اجداد کے مزارات کے پاس دفن کئے گئے۔ اس احاطہ میں آپ کے صاحبزادے نواب محمد اسحاق خان سابق سکریٹری محمڈن کالج علی گڈھ کی بھی قبر ہے۔

کسی نے نواب محمد اسحاق خان کی تاریخ وفات کہی ہے۔ ؎

در دل چو اسیر فکر سال است
فانی فی الذات وصال است

۱۳۳۷ھ

مرزا اسد اللہ خاں غالب

مرزا اسد اللہ خان غالب ۱۲۱۲ھ میں شہرہ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ عہد طفولیت میں ہی آپ کے والد مرزا عبد اللہ بیگ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے چچا مرزا نصیر اللہ بیگ نے آپ کی پرورش کی۔ ۱۲۲۵ھ میں مرزا غالب کی شادی نواب الٰہی بخش کی صاحبزادی سے ہوئی چنانچہ مرزا غالب آگرہ سے دہلی میں منتقل ہو گئے۔

مرزا غالب فارسی اور اردو کے جلیل القدر شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ الہامی تھی اور نثر نگاری میں بھی آپ اپنے مخصوص اسلوب کے موجد اور خاتم تھے۔

مرزا غالب کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

یاد تھیں ہم کو بھی انکار نگار نگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمع دو فروزاں ہو گئیں

بس کہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں

مرزا غالب ایک عظیم مصنف بھی تھے۔ اردو و فارسی دیوان کے علاوہ آپ کے رقعات کے دو مجموعے موسوم بہ عودِ ہندی و اردوئے معلیٰ یادگار روزگار ہیں۔

آخر عمر میں مرزا غالب پیہم حوادث و انقلابات کی وجہ سے نہایت ہی نحیف و کمزور ہو گئے تھے۔ ہر وقت پلنگ پر پڑے رہتے تھے، اگر کسی کو ان سے کچھ کہنا ہوتا تھا تو لکھ کر ان کو پرچہ دیا جاتا تھا جس کا جواب بھی وہ لکھ کر دیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر یہ شعر گنگناتے رہتے تھے ؎

دم واپسیں بر سرِ راہ ہے عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مرزا غالب ۲ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ بعمر ۷۳ برس جان بحق ہو گئے۔ آپ کا مزار غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین اولیاء سے متصل دکھن جانب واقع ہے۔ آپ کی قبر پہلے بہت ہی خستہ و خراب حالت میں تھی تو مشہور مجاہد آزادی مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اہلِ خیر اور اہلِ ذوق حضرات سے اپیل کی اور اسے از سرِ نو تعمیر کرایا۔ ۱۹۵۵ء میں امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی ذاتی دلچسپی سے غالب سوسائٹی کے زیرِ اہتمام قبر کو مرمریں بنوا دیا گیا اور مجر بھی مرمریں بنوا دیا گیا جو جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوئٹے کے مقبرے جیسا ہے۔

لوحِ مزار پر مہدی مجروح کا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

یا حی یا قیوم

اسد اللہ خاں غالب مرد اشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد

کل میں غم و اندوہ میں با خاطرِ محزوں
تھا تربتِ استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح
ہاتف نے کہا گنجِ معانی ہے تہ خاک

۱۲۸۵ھ

سر شاہ محمد سلیمان

سر شاہ محمد سلیمان الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے۔ سر شاہ محمد سلیمان جونپور اعظم گڈھ کے ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد حافظ محمد عثمان جونپور کے مشہور وکیل تھے۔

سر شاہ محمد سلیمان نے ولایت سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی تھی وہ اعلیٰ درجہ کے قانون داں تھے۔ قانونی گتھیوں کو سلجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی:

"وہ قانون میں ایسے رچے بسے رہے کہ قانون ان کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔"

سر شاہ محمد سلیمان کو منطق و فلسفہ سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور ریاضیات کے بھی ماہر تھے۔ وہ منطق و فلسفہ اور ریاضیات عربی کتابیں بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعے کرتے تھے اور ان فنون کے ماہرین سے استفادہ کرتے تھے، وہ عربی زبان و ادب پر بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے

سر شاہ محمد سلیمان شاعر تو نہیں تھے لیکن شاعری سے دلچسپی تھی، مشاعروں میں بڑے شوق کیساتھ شرکت کرتے تھے اور اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے تھے۔ سر شاہ محمد سلیمان بسلسلۂ علاج دہلی آئے تھے اور دہلی میں ہی ان کا انتقال ہوا اور خواجہ ہال بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر حضرت خواجہ حسن نظامی کے مزار کے قریب ہی ایک درخت کے نیچے ہے۔ لیکن قبر پر کتبہ نصب نہیں ہے۔

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی

شمس العلماء مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی اردو زبان وادب کے صاحب طرز ادیب اور جادو بیان مقرر وخطیب تھے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کی پیدائش ۱۲۹۰ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ عاشق علی صاحب مرحوم تھا خواجہ صاحب نے ابتدائی تعلیم بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں فقیہہ دوراں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ گنگوہ ہی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی زیارت کی۔ خواجہ حسن نظامی صاحب صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ پر تصوف کا گہرا رنگ تھا، چنانچہ آپ نے تصوف کی اشاعت وترویج کے لئے دو معیاری رسالے درویش اور منادی جاری کئے۔ آخر الذکر رسالہ آج بھی آپ کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کی ادارت میں بڑی پابندی سے نکلتا ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے اسلامیات کے علاوہ غدر دہلی کے عبرتناک واقعات پر متعدد کتابیں لکھی ہیں مثلاً بیگمات کے آنسو، بہادر شاہ ظفر کا مقدمہ، دہلی کا آخری سانس، غدر کی صبح وشام، محاصرہ غدر کے خطوط، غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط اور دہلی کی جانکنی وغیرہ کتابیں علمی وادبی حلقوں میں بہت ہی مقبول ہوئیں ہیں۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے یہ ترجمہ قرآن مجید

بہت ہی سلیس اور با محاورہ ہے۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم و مغفور کے صاحبزادے جناب خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے بتایا کہ خواجہ صاحب نے قرآن مجید کا ہندی ترجمہ بھی کیا ہے اور آپ کا پہلا ہندی ترجمہ ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا انتقال ۱۳۷۴ھ میں دہلی میں ہوا اور آپ کی آخری آرامگاہ قوالی ہال بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں ہے۔

محترم خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے بتایا کہ والد محترم نے جوانی میں ہی اپنی اور اہلیہ محترمہ کی قبریں تیار کرادی تھی اور اپنی قبر میں لیٹ کر بھی دیکھ لیا تھا اور خواجہ صاحب بڑی پابندی کے ساتھ ہر روز اپنی قبر کی زیارت کیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی قبر کے قریب ہی آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ محمودہ خواجہ بانو نظامی کی قبر ہے۔ آپ کی قبر پر یہ کتبہ ہے۔

حضرت سیّدہ محمودہ خواجہ بانو نظامی

اہلیہ حضرت خواجہ حسن نظامی

وفات چہار شنبہ ۱۷ شعبان ۱۴۰۵ھ

۸ مئی ۱۹۸۵ء

خواجہ حسن نظامی کے مزار کے قریب ایک گوشہ میں صادق شہید کی قبر ہے۔ ان کی لوح پر یہ عبارت کندہ ہے:

مزار صادق شہید

جو ۳۰ جنوری ۱۹۲۸ء کی شام کو

پستول کی گولی سے شہید کئے گئے۔

شمس العلماء مصور فطرت خواجہ حسن نظامی کی لوح تربت پر یہ عبرتناک تحریر کندہ ہے۔ یہ خود خواجہ صاحب نے اپنے لئے تحریر فرمایا تھا۔ ان کی کتاب قبروں کے غیبی

نوشتے میں موجود ہے۔

۷۸۶

ھو الکل **یا معین**

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی کے جانشین
امام المشائخ شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ سید حسن نظامی دہلوی رح
ادیب المغفور ۱۳۷۴ھ — غوث وقت بکرمی ۲۰۱۲

آخری آرام گاہ

حضرت کا خود نوشت کتبہ

" یہ قبر ایک مسلمان کی ہے۔ اس خاک میں وہ سوتا ہے جس نے دنیا کی بیداری میں سونے والوں کو جگانے کی خاطر اچھی اور بری موت کا فرق قلم کی بجلی سے زندہ کر کے دکھایا۔

چار دن کی شہرت پر گھمنڈ نہ کرنا

کہ یہ بھی بہت مشہور تھا۔ قوت تحریر و تقریر کا غرور دل میں نہ لانا کہ اس کی طاقت انشاء پردازی نے بھی تمام ہندوستان میں دھاک بٹھادی تھی مگر آج وہ ساری دھوم اس تودۂ خاک میں چپ چاپ پڑی ہے، یہ اس کی قبر ہے جس نے الواح قبور اس وقت لکھیں جب کہ دنیا کی کسی زبان میں ان کی نظیر موجود نہ تھی۔ لیکن یہ بے مثال باتیں ایجاد کرنے والا بھی آخر مرگیا اور کہہ گیا کہ کام آخرت کی نیت سے کرنا جس کا نتیجہ لازوال ہے۔ اس کی زندگی کے لئے نہیں جہاں کا رہنا چند ساعت کا خواب خیال ہے۔"

(ماخوذ از "قبروں کے غیبی نوشتے)

بیرسٹر آصف علی

بیرسٹر آصف علی ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء - ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ ہندوستان کے بلند پایہ اور روشن دماغ قائدوں اور لیڈروں میں تھے۔ انھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ قید و بند میں گزارا۔ آزادی وطن کے بعد سب سے پہلے امریکہ میں سفیر ہوئے۔ پھر اڑیسہ کے گورنر بنائے گئے، پھر سوئزرلینڈ کے لئے سفیر بنا دیئے گئے۔ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں سے ان اہم مناصب کی سخت ترین ذمہ داریوں سے بحسن خوبی عہدہ براں ہوئے اور مسلمانوں کے وقار کو بلند کیا۔

آپ کئی زبانوں کے ماہر تھے، اردو، فارسی اور انگریزی کے بہت ہی اچھے ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ اردو زبان کے قادر الکلام شاعر تھے، غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

درد اگر ہو تو سو دوا کیجئے — تیرا بے درد ہائے کیا کیجئے
سو برا ہو اگر بھلا کیجئے — پھیر قسمت کا ہو تو کیا کیجئے
بد دعاؤں پہ غیر جیتے ہیں — کیونکہ مرنے کی اب دعا کیجئے
مرگ اغیار کھیل ہے یہ بھی — رہنے بھی دیجئے بس سنا کیجئے
پا بہ زنجیر زلف بھی کب تک — سر کا صدقہ ہمیں رہا کیجئے
بچتے ہو جان بوجھ کر یوں تو — بھولے چوکے تو مل لیا کیجئے
نشے میں ہو یا وجد و حیرت میں — کبھی آپے میں بھی ہوا کیجئے

بے وفائی کا بول بالا ہے　　کس سے اور کس طرح وفا کیجئے
بت پرستی بھی حق پرستی ہے　　آپ تو اپنا حق ادا کیجئے
برق جب تاک میں قفس کی ہو　　خاک صیاد کا گلا کیجئے
ہے تماشائی ہی بن کے جب رہنا　　شمع ساں بزم میں جلا کیجئے
درِ ایجاب کھل گیا آخر　　ہائے اب کون سی دعا کیجئے

گو ہے آصف دوا سے درد ضرور
اب نہ بے درد سے ملا کیجئے

آصف علی صاحب مرحوم بڑے وسیع القلب اور وسیع النظر آدمی تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ارونا آصف علی کا شمار بھی آزادی وطن کے مجاہدین میں ہوتا ہے ابھی بقید حیات ہیں۔

بیرسٹر آصف علی کا انتقال ۱۹۵۳ء ۔ ۱۳۷۲ھ میں سوئٹزرلینڈ میں ہوا۔ حکومتِ ہند نے آپ کی میت کو دلی منگالیا اور سپرد خاک کیا۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے قائدین نے تجہیز و تکفین میں شرکت کی۔ آپ تبلیغی مرکز کی بنگلہ والی مسجد کے پیچھے قبرستان خواجہ حسن نظامی میں دفن ہوئے۔

آصف مرحوم ہی کا یہ شعر ہے ؎

نظارہ جو نگاہیں ڈھونڈتی ہیں مدفن آصف
غبارِ راہ پردہ دار ہے گورِ غریباں کا

قبرستان میں صفائی کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہے لیکن آصف مرحوم کی قبر بہت ہی خوبصورت ہے اور بہت ہی قیمتی سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔

لوحِ مزار پر عبارت کندہ ہے۔

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام
آصف علی
ولادت ۱۱ رمئی ۱۸۸۸ء　　وفات ۲ راپریل ۱۹۵۳ء

مولانا محمد الیاس کاندھلوی

بانی تحریک تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ضلع مظفر نگر کے مردم خیز قصبہ کاندھلہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد اسماعیل کاندھلوی تھا۔ جو اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین، خدا رسیدہ بزرگ اور ایک بہترین مدرس تھے۔

مولانا محمد الیاس صاحب نے ناظرہ قرآن مجید اپنے وطن کاندھلہ میں پڑھا، حفظِ قرآن اپنے نامور والد کے پاس بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں کیا اور اس کے بعد فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں دہلی اور کاندھلہ میں بڑی محنت و لگن کے ساتھ پڑھیں اور ۱۳۲۶ھ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے درس حدیث میں شامل ہوئے اور حضرت شیخ الہند کے علوم ظاہری و باطنی سے خوب خوب سیراب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس کے اوپر حضرت شیخ الہند کا گہرا اثر تھا۔

راقم الحروف کو جناب افتخار فریدی مراد آبادی مدظلہ نے بتایا کہ:

"حضرت مولانا محمد الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت شیخ الہند کا آدمی ہوں۔"

مولانا محمد الیاس صاحب کو رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مسند تدریس سپرد کی گئی، جس پر ایک عرصہ تک متمکن رہ کر آپ علم و عرفان کی بارش برساتے رہے۔ اور طالبان علوم آپ کے فیضان علمی سے خوب خوب سیراب ہوتے رہے۔ لیکن

اللہ تعالیٰ کو آپ سے دوسرا اہم کام لینا تھا، وہ تھا عوام الناس اور دین سے دور اور بے دینوں میں دین پہونچانا اور ان کے ذہنوں کو دین کے سانچہ میں ڈھالنے کا کام اگرچہ یہ کام بڑا ہی کٹھن اور دشوار ہے مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اسلام کے مخلص داعی، پیکر عمل انسان تھے۔

مولانا محمد الیاس صاحب کا شمار ہندوستان کے ان مخلص دعاۃ میں ہوتا ہے، جن کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام کا چراغ روشن ہوا اور آج تک جگمگا رہا ہے، لہٰذا آپ نے اس مقصدِ عظیم کے لئے دہلی کا انتخاب فرمایا اور بستی نظام الدین کو مرکز قرار دیکر وہاں سے اپنے کام کے آغاز کا قصد فرمایا اور سہارنپور سے دہلی منتقل ہوئے پھر اپنے اپنے کام کے لئے ایسے اصول مرتب فرمایا جو خالص الہامی ہی کہے جاسکتے ہیں جس میں سارے دین کا احاطہ بھی ہے اور نزاعی و فروعی مسائل سے بالکلیہ اجتناب بھی اور یہ آپ کی غیر معمولی دور اندیشی اور خداداد بصیرت کی کھلی دلیل ہے اور یہی اس تحریک کی کامیابی و قبولیت عام کی بڑی اور اہم وجہ ہے۔ آپ نے اس کام کو مقصد زندگی بنالیا تھا اور اسی کام کو کرتے کرتے آپ ۲۱ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو اپنے مولائے غفور و رحیم سے جاملے۔

آپ کی قبر بنگلہ والی مسجد کے ایک گوشہ میں حوض کے قریب ہی ہے اور آپ کی قبر سے متصل مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی اور مولانا محمد کاندھلوی رحمہما اللہ کی قبریں بھی ہیں۔ یہ تمام قبریں کچی ہیں۔

منشی سید ظہور احمد وحشی

منشی سید ظہور احمد وحشی شاہجہاں پور ضلع اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ خاندان سادات سے ان کا تعلق تھا۔ وحشی شاہجہاں پوری ندوۃ العلمار لکھنؤ کے فارغ التحصیل، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ہم سبق اور "تجلی" دہلی کے ایڈیٹر تھے۔

منشی سید ظہور احمد وحشی صاحب ایک مسلم الثبوت ادیب ہونے کے ساتھ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ وحشی تخلص تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کسی کے شاگرد نہیں تھے بلکہ آپ کا ملکۂ شعر گوئی خدا داد تھا۔ اور آپ دہلی کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور مشاعرہ پر چھائے رہتے اور آپ صاحب دیوان شاعر تھے۔

ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

کیوں مجھ کو ستاتے ہو، کیوں خواب میں آتے ہو — بھولا ہوا افسانہ کیوں یاد دلاتے ہو!

پھر کھا کے قسم جھوٹی پھر نام وفا لے کر — کیوں آگ لگاتے ہو کیوں مجھ کو جلاتے ہو

اظہار تاسف سے رو رو کے تکلف سے — کیوں دل کو دکھاتے ہو کیوں مجھ کو رلاتے ہو

پھر قدر ہوئی شاید وحشی کی پس مردن
کیوں اشک بہاتے ہو کیوں رنج اٹھاتے ہو

کبھی اس کی نگاہ شرمگیں اٹھتے نہیں دیکھی — سکھایا کس نے یارب آسمان کو فتنہ گر ہونا

کوئی آیا ہے پھر دل میں ہزاروں حسرتیں لیکر — ذرا پھر برق خرمن سوز بن کر جلوہ گر ہونا

اگر اس پردۂ قدرت میں کوئی سننے والا ہے
تو وحشیؔ اک قیامت ہے دعا کا بے اثر ہونا

وحشیؔ صاحب کا انتقال ۱۹۴۴ء میں بعمر ۶۰ سال ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

پروفیسر محمد اجمل خاں

پروفیسر محمد اجمل خان کی پیدائش ۲ر فروری ۱۸۹۷ء میں کٹنی الہ آباد میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد اسماعیل خان تھا، جو افغانی النسل پٹھان تھے۔ محمد اجمل خان نے مکتبی تعلیم گھر پر حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم شملہ، لکھنؤ اور علی گڑھ میں پائی۔

موصوف ۱۹۲۸ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں عربی وفارسی کے استاذ مقرر ہوئے اور صرف دو سال تک وہاں مسند تدریس پر متمکن رہے پھر ۱۹۳۵ء میں الہ آباد چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں بنگال کے مشہور دانشور رابندر ناتھ ٹیگور سے شناسائی ہوئی۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے آپ کی خداداد صلاحیت وقابلیت سے متاثر ہو کر شانتی نکیتن میں آپ کو ریسرچ اسکالر مقرر کیا۔ لیکن آپ وہاں بھی دو سال سے زیادہ ٹک نہ سکے، اتفاق سے کلکتہ ہی میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے نیاز حاصل ہوا اور پروفیسر صاحب کی باصلاحیت شخصیت سے متاثر ہو کر مولانا آزاد نے آپ کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری بنا لیا جس پر آپ آخر دم تک فائز رہے۔

پروفیسر محمد اجمل خان بڑے اصول پسند اور وضع دار آدمی تھے اور مولانا آزادؒ کے مزاج شناس بھی تھے۔ مولانا آزادؒ کو آپ کی ذات سے بڑی راحت پہونچتی تھی۔ مولانا آزاد سے ملاقات کے خواہش مند حضرات کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا کرتے تھے تاکہ مولانا کے آرام وکام میں خلل واقع نہ ہو اور اگر وہ لوگ ناراض ہوتے تو ان کا سارا نزلہ آپ ہی پر اترتا تھا اور آپ ان کے جارحانہ تبصروں اور ادبی اور غیر ادبی

تنقیدوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

پروفیسر محمد اجمل خان اردو، فارسی اور عربی کے بہترین ادیب اور انشاپرداز تھے۔ غبارِ خاطر پر آپ کا مقدمہ آپ کی ادبی عظمت کا بین ثبوت ہے۔ آپ نے مولانا آزاد کی زبان اور رنگ میں لکھنے کی کوشش کی ہے اور اس جد وجہد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔

پروفیسر محمد اجمل خاں مولانا آزاد کے صرف پرائیوٹ سکریٹری ہی نہیں تھے بلکہ ایک عظیم مصنف بھی تھے۔ آپ کی چند اہم تصانیف یہ ہیں۔

(۱) سیاست (۲) حیات ارسطو (۳) حیات امیر خسرو (۴) خواجہ چشتی اجمیریؒ
(۵) حیات مخدوم صابر کلیری (۶) آزادی کے اصول (۷) بھگوت گیتا (اردو ترجمہ)
(۷) بھگوت گیتا (فارسی ترجمہ) (۹) پس منظر اسلام (۱۰) مختصر سیرت سیدنا محمد صلعم
(۱۱) ترتیب نزول قرآن کریم (۱۲) سیرت قرآنیہ رسول عربی (۱۳) مشکلات قرآن کا انقلابی حل (۱۴) چیپ جی صاحب اور سیرت محمد رسول اللہ مع القرآن (غیر مطبوعہ) وغیرہ وغیرہ۔

پروفیسر محمد اجمل ہمیشہ علمی اور ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ آپ حکومتِ ہند کے سہ ماہی عربی مجلہ ثقافت الہند کے بانی بھی رہے ہیں اور آپ ۱۹۶۴ء میں راجیہ سبھا کے ممبر نامزد ہوئے اور آپ انتقال کے وقت پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ آپ کا انتقال ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو دہلی میں ہوا اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی آخری آرام گاہ بنگلہ والی مسجد بستی حضرت نظام الدین اولیاء کے پیچھے قبرستان خواجہ حسن نظامی میں ہے، جہاں بیرسٹر آصف علی مرحوم خوابیدہ راحت ہیں۔

پروفیسر محمد اجمل مرحوم کی قبر پر کتبہ نہیں ہے البتہ پروفیسر محمد اجمل خان مرحوم کے صاحبزادے مجاہد کمال خان صاحب کے پاس نہایت ہی خوبصورت کتبہ موجود ہے جس کو وہ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اب تک لگا نہیں سکے ہیں۔ یہ عبارت راقم الحروف نے وہاں سے نقل کی ہے۔ علامہ انور صابری مرحوم نے یہ تاریخ وفات

کہی ہے۔

اللہ ۷۸۶ محمد

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

محمد اجمل خاں

پیدائش	۱۸۹۷ء	الہ آباد
وفات	۱۹۶۹ء	نئی دہلی

صاحبِ علم و حامل قرآن
فکرِ "آزاد" آمین زبان
در ریاض بہشت یافت امان
روحِ دانش محمد اجمل خان

۱۳۸۶ + ۵۸۳ = ۱۹۶۹ء

نواب الٰہی بخش خاں معروف

نواب الٰہی بخش خاں معروف ایک معزز نواب خانوادہ کے چشم و چراغ، کہنہ مشق شاعر اور صاحب دل انسان تھے۔ آپ استاد ذوق کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کی ہی صاحبزادی امراؤ بیگم مرزا غالب کی زوجیت میں تھیں۔

نواب الٰہی بخش خاں حضرت مولانا فخر الدین فخر عالمؒ کے مرید خاص تھے۔ آپ کا سلسلۂ بیعت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ سے ملتا ہے۔

نواب معروف کی قبر احاطۂ مرزا غالب بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں ہے۔

لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔

مرزا الٰہی بخش خاں معروف

ابن

مرزا عارف جان

وفات

۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ - ۱۸۲۷ء

وفات کے وقت عمر اسّی سے متجاوز تھی۔

گفت تاریخ فوت او ہاتف

ساکن جنت برین معروف

مرمت مزار زیر اہتمام اردو اکادمی ۲ ۱۲۴۲ھ اگست ۱۹۸۵ء نساخ

میرزا زین العابدین خاں عارفؔ دہلوی

مرزا زین العابدین خان عارفؔ مرزا غالبؔ کے متبنی، خطِ نسخ کے ماہر اور خوش گو شاعر تھے۔ مرزا عارفؔ کی پیدائش ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء میں ہوئی ان کے والد کا نام نواب غلام حسین خان بہادر شہرت جنگ تھا۔

مرزا عارفؔ، مرزا غالب اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے، مرزا عارفؔ بڑے جاندار اشعار کہا کرتے تھے، چند اشعار ملاحظہ فرمادیں۔ ؎

اے فلک! خانہ خرابی کی ہے پروا کس کو
دشت میں رہتے ہیں، مدت ہوئی گھر چھوڑ دیا
مت کہو وہ بات، عارفؔ جو گراں خاطر پہ ہو
کیا مزا ہے، اگر جبینِ آشنا میں بل پڑا

مرزا غالبؔ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ مرزا عارفؔ نوجوانی میں داغ فراق دے گئے تو غالبؔ کو آپ کی موت کا بڑا صدمہ ہوا، چنانچہ غالب نے آپ کا نوحہ لکھا جس کا پہلا شعر ہے ؎

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں، اب رہو تنہا کوئی دن اور

مرزا زین العابدین عارفؔ ۱۲۶۸ھ/ ۵۱-۱۸۵۲ء میں فوت ہوئے اور اپنے استاذ مشفق کے جوار میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر غالب اکیڈمی کی دیوار سے متصل ہے۔

ساغر نظامی

سردار محمد صمد یار خان ساغر نظامی اردو کے یگانہ روزگار شاعر، ادیب اور مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ وہ ۲۱ر دسمبر ۱۹۰۵ء میں علی گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر احمد یار خان علی گڈھ میں سرکاری ڈاکٹر تھے۔

ساغر نظامی صاحب کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی نہیں تھے لیکن اردو، فارسی اور سنسکرت پر کامل دستگاہ رکھتے تھے اور نو سال کی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں بہت ہی اچھے شعر کہنے لگے تھے اور آل انڈیا قسم کے مشاعروں میں بھی شریک ہونے لگے تھے۔

ساغر نظامی صاحب ترنم سے پڑھتے تھے اور آواز میں بلا کی کشش تھی۔ سامعین پر چھا جاتے تھے اور بقولِ شخصے مشاعرہ لوٹ لیتے تھے۔ ساغر نظامی مرحوم سیماب اکبرآبادی مرحوم کے شاگرد تھے اور سیماب اکبرآبادی ساغر نظامی کو اپنے خاص شاگردوں میں شمار کرتے تھے اور بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ ساغر نظامی ایک معنوں میں صوفی بھی تھے۔ آپ شمس العلماء مصور فطرت خواجہ حسن نظامی مرحوم سے بیعت تھے۔ اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ "نظامی" کی نسبت لگاتے تھے۔

ساغر نظامی صاحب مجاہد آزادی اور محب وطن بھی تھے۔ آپ نے اپنی انقلابی تحریروں اور نظموں سے ہندوستانی عوام کو بیدار کیا اور عوام کے دلوں میں حب الوطنی کے پاک و فطری جذبات پیدا کئے۔ وہ سامراجی طاقتوں کے شدید مخالف تھے۔ ان کا ایک شعر

ہے ملاحظہ ہو ؎

بھروں گا رنگ تصویر وطن میں روح پُر غم کا
تو پانی ہو کے رہ جائیگا خون اس ننگ عالم کا

پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ساغر نظامی کے جذبے حب الوطنی کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مولانا آزاد مرحوم اپنی افتاد طبع کے خلاف جب ساغر نظامی کو دیکھتے تو بے تکلفانہ انداز میں یہ مصرع پڑھتے تھے۔ ؎

ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ساغر نظامی کا پنڈت نہرو اور ان کے خاندان سے بھی بڑے اچھے تعلقات و مراسم تھے۔ چنانچہ ساغر نظامی نے "نہرو نامہ" لکھا اور پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک پیکر مہر و وفا قرار دیا۔ ساغر نظامی صاحب تو آزادی وطن کے دلدادہ تھے اور مجاہدین آزادی کی قربانیوں کے بڑے قدر دان تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی آخیر زندگی میں "مشعل آزادی" یعنی آزادی کی منظوم تاریخ لکھنا شروع کی۔ اس کا پہلا حصہ ۵۷ء کی جنگ آزادی تک تھا۔ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل تھا بدقسمتی سے مشعل آزادی کا دوسرا حصہ ابھی مکمل ہونے ہی والا تھا کہ ۲۷ فروری ۱۹۸۴ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور مرزا غالب کے جوار میں بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے روپوش ہو گئے۔ لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔

سردار محمد صمد یار خاں
ساغر نظامی

تاریخ وفات	تاریخ پیدائش
۲۷ فروری ۱۹۸۴ء	۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء

مولانا محمد یوسف کاندھلوی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بانی تبلیغ کے صاحبزادے اور بڑے جید عالم دین اور مخلص داعی الی اللہ تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے ہی اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد تبلیغی کاموں کو سنبھالا اور ہندوستان سے باہر ممالک اسلامیہ اور غیر اسلامیہ میں اس دعوتی کام کو جاری فرمایا۔

مولانا محمد یوسف صاحب ایک بلند پایہ مصنف اور بالغ نظر محدث تھے۔ آپ کی یادگار حیاۃ الصحابہ (تین حصے) اور معانی الآثار کی شرح امانی الاحبار ہیں۔

مولانا محمد یوسف ۱۹۱۷ء میں کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں دہلی میں جان بحق ہو گئے۔ آپ کی قبر مسجد بنگلہ والی میں حوض کے قریب اپنے والد مرحوم کی قبر کے پہلو میں ہے۔ قبر پر کوئی لوح نہیں ہے۔

مولانا عبید اللہ بلیاوی

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ ایک جید عالم دین اور مخلص داعی تھے۔ تبلیغی سرگرمیوں سے کافی دلچسپی لیتے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ بستی حضرت نظام الدین اولیاء سے باہر قبرستان پنج پیران میں دفن ہوئے۔

آپ کی قبر پر ابھی کوئی کتبہ نہیں ہے۔ البتہ مولانا عبید اللہ صاحب کا ایک عقیدتمند نے آپ کی قبر پر کتبہ لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور ان کا یہ کتبہ مولانا سید عبد العزیز ظفر جنکپوری کے پاس موجود ہے۔ کتبہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

باسمہ تعالیٰ

کل نفس ذائقۃ الموت

مرقد مبارک

پیکرِ علم وعمل، شمعِ رشد وہدایت، آفتابِ علم نبوت، عمدۃ المتکلمین والمبلغین

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی نور اللہ مرقدہٗ

مقیم بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین اولیاء وخلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تاریخ وفات مورخہ ۸ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء

قطعۂ تاریخ بر وفات حسرت آیات

مظہرِ کردار عالم باعمل آفتاب علم تجاہ ذوالمنن

او عبید اللہ مرد حق نگر داعی دین متین زیبِ چمن

سوئے جنت رفت از دار فنا مرد مومن صالح شیریں سخن
۱۴۰۹ھ

نتیجۂ فکر ظفر جنپوری قاسمی

مولانا عبدالسلام نیازی

مولانا عبدالسلام نیازی صاحب ایک پراسرار اور جامع الاضداد بزرگ تھے منطق وفلسفہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ وہ اگر ایک طرف باکمال عالم شمار ہوتے تھے تو دوسری طرف فنی گالیوں کے بھی امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ اور دلی میں مجذوب اور نیم مجذوب سے مشہور ومعروف تھے۔ العلم عند اللہ

مولانا عبدالسلام نیازی صاحب ۳ر جون ۱۹۶۶ء میں جان بحق ہو گئے اور بستی حضرت نظام الدین میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بستی حضرت نظام الدین میں ہے لیکن صحیح مقام کی نشاندہی مشکل ہے۔

ڈاکٹر اعجاز الدین خان

ڈاکٹر اعجاز الدین کی ولادت یکم فروری ۱۸۹۰ء میں بھوپال میں ہوئی۔ آپ کے والد حکیم معز الدین خان ریاست بھوپال میں شاہی طبیب و معالج تھے اور بڑے اثر ورسوخ کے آدمی تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے مکتبی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر عصری علوم کی تحصیل کے لئے ہائی اسکول الیگزنڈرہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں داخل ہوئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ایم۔ اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے اور ۱۹۲۸ء میں لیڈر یونیورسٹی سے ایم۔ ای۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور انگلستان سے واپس آنے کے بعد ریاست بھوپال میں محکمۂ تعلیمات میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد صوبہ بمبئی میں آگئے اور یہاں ۱۹۴۷ء تک انسپکٹر آف مدارس کے عہدہ پر فائز رہے، پھر ۱۹۴۷ء میں صوبہ بمبئی سے ریاست بھوپال تشریف لائے اور ڈائرکٹر تعلیمات کے عہدہ پر فائز ہوئے اور یہیں سے ریٹائر ہوئے اور ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۵۲ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ڈگری کالج کے پرنسپل ہوئے اور اسی دوران یونیسکو نے مشیر تعلیم بنا کر افغانستان بھیجا اور ڈاکٹر صاحب ایک سال تک افغانستان میں رہے اور وہاں اپنی صلاحیت وقابلیت کا لوہا منوایا۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۶۱ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خواہش وایما پر دارالعلوم

دیوبند میں تشریف لے گئے جہاں آپ کو علوم عصریہ کی تعلیم و تدریس سپرد کی گئی اور آپ کے علوم و فنون سے طلبہ دار العلوم دیوبند مستفید ہوتے رہے مگر جب دار العلوم دیوبند میں انقلاب آیا جس کے نتیجہ میں حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ اپنے رفقاء کے ساتھ دار العلوم دیوبند سے علیحدہ ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب بھی ان ہی مخلصین کے گروہ میں شامل تھے۔

ڈاکٹر صاحب ماہر لسانیات تھے، اردو، فارسی، عربی، پشتو، مراٹھی، ہندی اور انگریزی زبان پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے اور مومن تخلص کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بڑے اصول پسند اور کٹر مذہبی آدمی تھے۔ موصوف اپنی سخت اصول پسندی اور دینداری کی وجہ سے ہر جگہ سوالیہ نشان ہی بنے رہے۔ وہ بڑے مسلم نواز آدمی تھے۔ آپ کی مسلم نوازی کی وجہ سے آپ سے جامعہ کا ایک حلقہ خفا رہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب میرے مشفق استاذ تھے۔ دار العلوم دیوبند میں احقر نے ڈاکٹر صاحب سے جغرافیہ اور تاریخ کی کتابیں پڑھی ہیں۔ آپ بڑی محنت و لگن کے ساتھ پڑھاتے تھے اور اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ آپ انتہائی ذاکر شاغل آدمی تھے۔ جب بھی سبق وغیرہ سے فارغ ہوئے تسبیح کے دانوں کو کھٹا کھٹ پھیرنا شروع کر دیتے تھے اور آپ اکثر ذکر بلند آواز سے کرتے تھے۔

ڈاکٹر اعجاز الدین خان کا انتقال ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ حضرت مولانا جمال الدین صاحب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ رحیمیہ مہندیان نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان پنج پیران میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی

مولانا عبدالوحید صدیقی کا شمار مشاہیر فضلائے دارالعلوم دیوبند میں ہوتا ہے۔
مولانا کی ولادت ۱۸۹۷ء میں غازی پور صوبہ اترپردیش میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نامی عبدالعزیز صدیقی تھا جو انسپکٹر آف پولیس تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی مرحوم شیخ الاسلام مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈھابیل گجرات بھی گئے تھے۔ آپ کی شخصیت پر حضرت شاہ صاحب کا گہرا رنگ تھا۔

مولانا نے محترم شعبہ تنظیم و ترقی کے ناظم اور منتظم بھی رہے ہیں اور رسالہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر بھی۔ مولانا عبدالوحید صدیقی مجاہد آزادی اور اردو کے نامور و ایماندار صحافی تھے۔ آپ کی ایماندارانہ اور دیانتدارانہ صحافتی زندگی سے متاثر ہو کر مشہور مجاہد آزادی اور نامور صحافی مولانا محمد علی جوہر نے اپنے مشہور روزنامہ "ہمدرد" میں لکھا تھا کہ:

> "اگر مجھے عبدالوحید جیسے دس نوجوان مل جائیں تو میں
> برٹش حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دوں۔"

کی بنا پر زمیندار سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور پنجاب ہی کے مشہور لیڈر ڈاکٹر محمد عالم کی خواہش پر ان کے اخبار مساوات کے چیف ایڈیٹر ہو گئے تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی ۱۸ر جولائی ۱۹۵۱ء میں بلیماران سے اپنا ذاتی اخبار روزنامہ "نئی دنیا" جاری کیا اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں صرف اپنے ذوق صحافت اور جذبہ خدمت پر بھروسہ کر کے یہ اخبار نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانائے محترم کے جذبہ خدمت خلق اور اخلاص کی قدر کی اور نئی دنیا کو ہندوپاک میں جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ مولانائے محترم نئی دنیا کے علاوہ ہمارا ردو ڈائجسٹ اور ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ کے بانی و مدیر بھی تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی کا انتقال ۱۹ر اپریل ۱۹۸۱ء میں دہلی میں ہوا۔ نماز جنازہ مولانا انعام الحسن صاحب امیر جماعت تبلیغ نے پڑھائی اور آپ لودھی ہوٹل کے سامنے واقع قبرستان میں اپنی اہلیہ محترمہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی خاندانِ چشت کے روشن چراغ اور شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے اجل خلفاء میں سے تھے اور آپ کے بعد جانشین بھی آپ ہی ہوئے۔ آپ ظاہر و باطن میں اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے مثیل و مشابہ بھی تھے اور ہر معاملہ میں آپ کی پیروی کرتے تھے اور یہ مقام و مرتبہ آپ کے سوا اور کسی خلیفہ و مرید کو حاصل نہ تھا۔ آپ کی مجلس میں وہی کیفیت حاصل ہوتی تھی جو حضرت شیخ المشائخ کی مجالسِ وعظ میں نصیب ہوتی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت چراغ دہلویؒ کو حکم دیا تھا کہ تمہیں خلق میں رہنا چاہیئے اور ظلم و ستم سہتے رہنا چاہیئے اور مہربانی سے پیش آنا چاہیئے۔ لہذا آپ ہمیشہ اس پر عمل کرتے رہے اور جب سلطان محمد تغلق نے آپ کو تکلیفیں و اذیتیں پہنچائیں تو آپ نے ان کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کبھی شکوہ تک زبان پر آنے نہیں دیا۔

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ ہمہ وقت حالتِ استغراق میں رہتے تھے اور غلبۂ استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص آپ کے حجرے میں گھس گیا اور شدید حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں گیارہ زخم آئے اور آپ کو اس کی مطلقاً خبر نہ ہوئی، جب خون بہہ کر حجرے سے باہر آیا تو مریدوں کو خبر ہوئی اندر جا کر اس شخص کو پکڑا اور چاہا کہ اس کو سزا دیں مگر آپ نے نہ صرف یہ کہ منع فرما دیا بلکہ اس کو انعام و اکرام سے نوازا اور اس کو باعزت رخصت فرمایا۔ اس واقعہ کے تین

سال بعد آپ نے بزمانہ فیروز شاہ ۷۵۷ھ میں وفات پائی۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا مزار بستی روشن چراغ دلی میں واقع ہے۔ درگاہ شیخ نصیر الدین چراغ دلی میں بے شمار قبریں ہیں لیکن ان پر کتبات موجود نہیں ہیں۔ یہ تمام قبریں شکستہ وخستہ حالت میں ہیں۔ حضرت شیخ چراغ کی پائینتی میں قاضی محمد ساوی خلیفہ روشن چراغ دہلی کا مزار ہے اور حضرت چراغ دہلی کی پائینتی میں دائیں اور بائیں جانب میں آپ کے بھانجے شیخ کمال الدین علی علامہ اور زین الدین علی کے مزارات ہیں۔ حضرت شیخ چراغ دہلی کے مزار سے کچھ ہی فاصلے پر ہندوستان کے مشہور بادشاہ ابراہیم لودی کے دادا ابراہام لودی کا مزار ہے۔ لیکن مزار کو دیکھ کر بڑی عبرت ہوتی ہے۔ مزار نہایت خستہ و ویران حالت میں ہے وہاں پر چند کتے آرام کرتے رہتے ہیں۔

یہ درگاہ مشہور بادشاہ فیروز شاہ نے ۷۷۵ھ مطابق ۱۳۷۳ء میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ درگاہ پہلے بہت ہی شکستہ وخستہ حالت میں تھی لیکن اب حضرت چراغ دہلی کا مزار جدید طرز سے بن گیا ہے مگر باقی احاطۂ درگاہ اب بھی خستہ حالت میں ہے۔ بدقسمتی سے درگاہ حضرت چراغ دہلویؒ چاروں طرف غیر مسلموں کے رہائشی مکانات ہیں اور ۱۹۴۷ء میں یہاں کے مسلمان باشندے پاکستان منتقل ہو گئے اور اب غیر مسلم حضرات ان میں آباد ہیں اور اس درگاہ کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں۔ درگاہ چراغ دہلوی سے متصل ایک قدیم و تاریخی مسجد بھی ہے۔ الحمد للہ اس میں نماز باجماعت ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس مسجد میں نماز پڑھی ہے گرچہ اس میں لوگوں کی آمد کم ہے۔

درگاہ حضرت چراغ دہلی کے دروازہ پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

مزار شریف

مستغرق بحر شہود، شمس العارفین، صادق المسلمین حضرت مخدوم خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی چشتی نظامیؒ۔ وصال مبارک ۱۷ رمضان المبارک ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۴۷ء

مفتی صدرالدین آزردہ

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی ایک معزز کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۴ھ ۔ ۱۷۷۹ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام شیخ لطف اللہ تھا۔

حضرت مفتی صدرالدین آزردہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، رئیس المفسرین حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، محدث کبیر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی اور امام المنطق والفلسفہ حضرت فضل امام خیرآبادی صاحب مرقات کے خصوصی شاگرد تھے اور آپ کو فن خوشنویسی میں سلطنت مغلیہ کے آخری مظلوم تاجدار بہادر شاہ ظفر سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حضرت مفتی آزردہ تمام مروجہ علوم و فنون مثلاً نحو، صرف، منطق، حکمت، ریاضیات معانی و بیان، ادب، انشاء، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور مدرسہ دارالبقا دہلی میں درس دیتے تھے۔

مفتی آزردہ مرحوم کا شمار ۱۸۵۷ء کے مجاہدین آزادی میں ہوتا ہے۔ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جو جہاد کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ اس فتویٰ پر آپکے بھی دستخط تھے۔

چنانچہ آپ کی گرفتاری ہوئی۔ عہدے سے ہٹائے گئے، جائیداد ضبط کی گئی، البتہ بفضل خداوندی مفتی صاحب پھانسی سے محفوظ رہے، ورنہ اس وقت تو ہزاروں بے گناہوں کو معمولی شبہ پر اور بہت سوں کو محض تفریحاً تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا تھا۔

مفتی آزردہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور شاہ نصیرالدین دہلوی میر ممنون اور مجرم اکبرآبادی کے شاگرد تھے۔

مفتی صاحب کے اشعار عام فہم، شستہ اور سلیس ہوتے تھے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمالیں۔

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ
اک قہر تھی، بلا تھی، قیامت تھی جان نہیں
گیا کون سا صید افگن ادھر سے
کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں
کب آسماں زمین و زمین آسمان نہیں
مجھ سا بھی کوئی عشق میں ہے بدگمان نہیں
کیا رشک دیکھ کر مجھے رنگ خزاں نہیں

افسردہ دل نہ ہو در رحمت نہیں ہے بند
کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں
اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

مے اور ذوق بادہ کشی لے گئی مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزم شراب میں
تھی جہاں میں روز ازل جائے درد کی
آیا پسند دل میرا اس انتخاب میں

مفتی صدر الدین آزردہ کا وصال ۱۲۸۵ھ - ۱۸۶۸ء میں ہوا اور چراغ دلی میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بے نشان ہو گئی۔

شمس الشعراء مولوی ظہور علی مرحوم نے یہ تاریخ وفات کہی

چراغش ہست تاریخ ولادت

۱۲ - ۴۰

کنوں گفتم، چراغ دو جہاں

۱۲+۴۹+۱۲۰۴

خواجہ باقی باللہ نقشبندی

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ عہد اکبری کے جلیل القدر شیخ طریقت، روحانی پیشوا اور جید عالم دین مگر گوشہ نشین بزرگ تھے۔ آپ کے معتقدین و خلفاء میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت خواجہ حسام الدینؒ جیسے مشائخ طریقت اور بخشی الملک شیخ فرید، قلیچ خاں حاکم پنجاب اور امیر الامراء مرزا عبدالرحیم خانخاناں جیسے امراء داخل ہیں۔

آپ کی خانقاہ قلعہ فیروز شاہ کوٹلہ کی تاریخی مسجد میں تھی، جو اب بہت ہی شکستہ ہو گئی ہے اور صرف محراب کی جانب کی ایک دیوار کھڑی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کو حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ خواجہ صاحب روزانہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے مزار پر جاروب کشی کرتے تھے۔ خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ نے ۱۰۱۲ھ - ۱۶۰۳ء میں بعمر ۴۰ سال انتقال فرمایا اور قطب روڈ صدر بازار میں واقع تاریخی قبرستان میں آرام فرما ہیں اور آپ ہی کی جانب منسوب ہو کر یہ قبرستان درگاہ حضرت باقی باللہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس قبرستان میں آپ کے علاوہ بہت سی معروف شخصیات آسودہ خواب ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب کے مزار کے سرہانے یہ اشعار کندہ ہیں ؎

قبلۂ ارباب معنی کعبہ اصحاب دیں	مظہر فیض الٰہی صاحب علم الیقیں
حامیِ دین نبی اکمل امام المتقیں	موردِ فضلِ گرامی آل ختم المرسلیں
کاشف اسرار مطلق واقفِ علم الیقیں	محو ذات اقدس و باللہ باقی بالیقیں

غوث اعظم عروۃ الوثقیٰ رب العالمین ۔ قطب ارشاد جہاں ہم معنی حق الیقین
کامل عالی طریقہ مہدی راہ متین ۔ بحر عرفان الٰہی مقتدار العارفین
راضی و مرضی حق بر ذات شان او مبین ۔ این کرامت ہست از محبوب رب العلمین
نور بے چوں بر جبینش تافت از حق الیقین ۔ شد زمین تیتش روشن قلوب المومنین
کہ توانم گفت مدح آں خلاصہ واصلین ۔ ہست ذات خواجہ باقی رحمت للعالمین
نعت اللہ باقی بود باقی شد یقین ۔ مرجع انس و ملک از فضل رب العالمین
خواجگی امکنہ شد مرشد آں شاہ دیں ۔ ایک مشرب اولین و ہم بہار آخریں
چوں بکمالش وصل دایم بود معنی دل نشیں ۔ شد وصال غیب او آخر بعمر اربعین
داں ز ہجرت بعد الف اثنا عشر بودہ سنین ۔ از وفات قطب دوراں تکیہ گاہ مسلمین
ہر کہ آید بر مزارش از سر صدق و یقین ۔ حاجتش گردد روا ہم مقصد دنیا و دیں
عاجز و عاصی بدرگاہش ہمی ساید جبین ۔ تا بیاید نظر رحمت ہم نجات یوم دیں
باد نازل رحمت رضوان رب العالمین ۔ بر محمد خواجہ باقی از اولیائے مقبلین

نقل ابیات سابقہ در عہد سجادہ نشینی میر مظفر علی صاحب بقلم آثم ابوالمعظم سراج الدین احمد (سائل) گردید۔

قطعۂ تاریخ وفات خواجہ باقی باللہ

رخت بستہ زین سرائے بے بقا ۔ چوں ندائے ارجعی از حق شنفت
سال تاریخ وصالش خردی ۔ باقی باللہ "نقشبند وقت گفت"

۱۰۱۲ ھ

خواجہ کلاں

خواجہ عبید اللہ معروف بہ خواجہ کلاں حضرت باقی باللہ نقشبندی کے بڑے صاجزادے ہیں۔ اسی لئے آپ خواجہ کلاں کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ کلاں کی ولادت ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء میں ہوئی۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار کے نام پر عبید اللہ رکھا گیا لیکن وہ خواجہ کلاں سے مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ کلاں کی تعلیم و تربیت حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی سرپرستی میں ہوئی تھی۔ ان بزرگوں نے حضرت خواجہ کلاں کو علوم ظاہر و باطن سے خوب خوب معمور فرمایا۔ لہٰذا خواجہ کلاں ایک جید عالم دین اور صاحب باطن شیخ طریقت بن کر اپنے اسلاف کے طریق پر گامزن ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے طرز پر چل کر خلق خدا کو واصل الی اللہ کیا اور اسی طرح اپنے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے خلق خدا کو فیضیاب کرتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے اور درگاہ خواجہ باقی باللہ میں ہی اپنے والد بزرگوار کے جوار میں آرام فرما ہوئے، آپ کے مزار مبارک کے چاروں طرف قد آدم دیوار کھڑی ہے اور یہ مزار حضرت خواجہ حسام الدین کے مزار پُر انوار سے متصل ہے۔ آپ کے مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ

صاجزادے کلاں

حضرت سیدنا سید رضی الدین احمد

الملقب بہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ

خواجہ خورد

حضرت خواجہ عبداللہ معروف بہ خواجہ خورد حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے چھوٹے فرزند ارجمند تھے۔ وہ ۶ رجب ۱۰۱۰ھ مطابق ۴ فروری ۱۶۰۲ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت باسعادت پر حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ نے یہ اشعار کہے ہیں۔

یارب کہ طلسم خود کشائی — ایں طفلک ما باد نمائی
خود را بتمام خود گزارد — چوں نخل زدانہ سر برآرد
چندیں ہمہ آفتاب رفتند — در بحر تو چوں حباب رفتند
ایں قطرہ ہم از شمار ایشاں — اوج خودش بکن پریشاں
باشد کاسم از و بر آید — چوں بینمش از تو یادم آید
ہرجاکہ ترشح تو بینم — ذرا العطش آیم و نشینم
اے بحر طرب بکام من شو — امروز یکے بہ جام من شو
من جام چہ مے کنم گدا ایم — مشتاقِ توام، دہن کشا یم

حضرت خواجہ خوردؒ صورت وسیرت میں پدر بزرگوار سے بڑی مشابہت رکھتے تھے۔ حافظِ قرآن تھے۔ بڑے ماہر علوم وفنون عالم دین تھے۔ پوری زندگی درس وتدریس میں مشغول رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سایہ تربیت میں منازل سلوک طے کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا اور بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ بڑے صاحب تصرف وکرامات بزرگ تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۴۴ھ میں بعہد شاہجہان ہوئی۔ آپ کا مزار اپنے والد کے مزار کے ۱۰ فٹ جانب مغرب میں

واقع ہے۔ خواجہ خورد کے مزار کا کتبہ زمین سے پانچ فٹ دس انچ اونچا ہے۔
لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ
صاحبزادے خورد
حضرت سید نارضی الدین احمد المقلب بہ حضرت خواجہ باقی باللہ

خواجہ حسام الدین

حضرت خواجہ حسام الدین حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔
خواجہ حسام الدین کی ولادت ۹۷۷ھ مطابق ۷۰-۱۵۶۹ء میں ہوئی۔ ان کے والد قاضی نظام الدین بدخشی اکبر کے مصاحبین میں تھے۔

خواجہ حسام الدین کی شادی شیخ مبارک کی صاحبزادی اور ابوالفضل وفیضی کی بہن سے ہوئی تھی۔ آپ کی اہلیہ نیک سیرت اور مخیر خاتون تھیں۔

دربار اکبری میں خواجہ حسام الدین کی بڑی قدر و منزلت تھی اور اپنے ابتدائی دور میں مغل حکومت میں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز رہے اور اسی دوران آپ دربار اکبری کے خاص مشیر اور وزیر باتدبیر عبد الرحیم خانخاناں کی رفاقت میں دکن کی جنگی مہم میں دکن تشریف بھی لے گئے اور دکن کے دوران قیام آپ نے مختلف اولیاء اور مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان کے فیوض و برکات سے اپنی روح و قلب کو جلا بخشتے رہے، جس کے نتیجے میں خداوند مقلب القلوب نے آپ کے قلب کو شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے فقیرانہ زندگی کی طرف پھیر دیا۔ لہٰذا آپ نے شاہی ملازمت ترک کرنے کا پختہ عزم کرلیا اور جب عبد الرحیم خانخاناں نے از راہ تعلق خواجہ صاحب کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی تو اپنے اوپر دیوانگی کی کیفیت طاری کرلی اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور گلی کوچوں میں دیوانہ وار پھرنے لگے۔ مگر عبد الرحیم خانخاناں نے پھر بھی اپنی کوشش جاری رکھی اور دوسرے بااثر امراء کو ساتھ لے کر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ خواجہ صاحب کو اپنی قیام گاہ پر لائے

اور نشیب و فراز سمجھانے کی پوری کوشش کی لیکن خواجہ صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ بالآخر خانخاناں نے مایوس ہوکر خواجہ صاحب کی عرضی شہنشاہ اکبر کی خدمت عالیہ میں بھیجدی اور ہزار مخالفت کے باوجود آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور دہلی تشریف لائے اور دہلی تشریف لاتے ہی حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کی خدمت میں پروانہ وار حاضر ہوئے اور خواجہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کر لی اور منازل سلوک طے کئے آپ کو اپنے شیخ سے عدیم المثال لگاؤ اور تعلق تھا۔ اسی تعلق کی بنیاد پر آپ نے اپنے شیخ کی ایسی خدمت کی جس کی مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی، لہذا آپ نے بہت جلد مراحل سلوک کی تکمیل کر کے خرقہ خلافت حاصل کر لیا اور طالبین حق کے قلوب کو منور کرنا شروع فرما دیا۔

حضرت خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۷ اگست ۱۶۳۳ء کو ہوا۔ اور آپ کا انتقال اگرچہ شہر آگرہ میں ہوا مگر آپ کے جسد خاکی کو آگرہ سے دہلی لایا گیا اور آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے جوار میں دفن کیا گیا۔

خواجہ حسام الدین کا مزار ایک خوبصورت چبوترہ پر واقع ہے۔ اور چبوترہ کے چاروں طرف اونچی دیواریں ہیں لیکن سرہانے کی جانب کی دیوار پر کوئی عبارت درج نہیں ہے۔ کاش! کوئی صاحب ذوق خواجہ حسام الدین کے نام اور آپ کی تاریخ پیدائش و وفات کا کتبہ کندہ کرا کر نصب کر دے۔

ملا جیون

ملا جیون عہد عالمگیری کے کبار علماء اور فقہاء میں تھے۔ بڑے سادہ لوح اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ آپ ۱۰۴۸ھ میں ضلع رائے بریلی کے مشہور قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام احمد تھا، ملا جیون کے لقب سے عوام و خواص میں مشہور ہوئے۔

ملا جیون اورنگ زیب عالمگیر کے استاد اور اتالیق تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی نگاہ میں ملا جیون کی بڑی قدر و منزلت تھی، جس میں تخت نشینی کے بعد کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اضافہ ہی ہوا اور عالمگیر عمر بھر آپ کا اعزاز و اکرام کرتے رہے اور اسی کا اثر تھا کہ عالمگیر کے صاحبزادے شاہجہاں بھی آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ لیکن ملا جیون کی بے نیازی اور قلندر مزاجی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی شہنشاہ وقت سے کسی قسم کا مادی فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ نہایت ہی استغناء اور بے نیازی کے ساتھ زندگی گزاری۔

ملا جیون کا انتقال ۱۱۳۰ھ میں ہوا۔ آپ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار سے پانچ فٹ پر حضرت ملا جیون کی قبر ہے۔ آپ کی قبر سطح زمین سے صرف ۸ انچ اونچی ہے اور قبر پر ہی سفید چونے سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

> "ملا جیون بخش شیخ احمد صدیقی امیٹھوی اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے استاد تھے۔ سات برس کی عمر میں قرآن شریف یاد کیا تھا۔ تفسیر احمدی، نور الانوار آپ کی یادگار ہیں۔"

مگر عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے تمام تذکرہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ آپکا انتقال دہلی میں ہوا اور آپ کے جسد خاکی کو آپ کی جائے ولادت امیٹھی لے جا کر دفن کیا گیا۔

مولانا عبدالحق حقانی

علامہ عبدالحق حقانی دہلوی ۔ ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے اور بڑے خلیق و ملنسار بزرگ تھے۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ ۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام خواجہ محمد امیر تھا۔ علامہ مرحوم نے استاذ العلماء مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی، مفتی محمد یوسف صاحب لکھنوی اور مولانا عبدالحق مہاجر مکیؒ سے علوم دینیہ کی تحصیل کی تھی اور دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ سے استفادہ کیا۔ علامہ کو صوفیائے کرام سے بڑی عقیدت تھی، چنانچہ آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلوی اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے مولانا لطف اللہؒ علی گڑھی سے تعلیم پائی تھی۔ اسی طرح آپ دونوں حضرات مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادی سے بھی بیعت تھے۔ لہٰذا دونوں میں بڑی محبت و یگانگت تھی۔ اور دونوں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تاسیس میں پیش پیش رہے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ مونگیری کی طرح مولانا عبدالحق حقانی بھی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانیوں میں تھے لیکن تاریخ ندوۃ العلماء میں آپ کا ذکر نہیں ہے۔

مولانا عبدالحق حقانی بڑے ذی علم اور بڑے پایہ کے مفسر قرآن تھے۔ آپ کی یادگار تفسیر حقانی ہے، جو آج تک انتہائی مقبول اور مرجع علماء ہے۔ آپ نے تفسیر حقانی میں بعض معاصر مفسرین پر تنقید کی ہے۔ تفسیر حقانی آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

آپ کا انتقال ۱۹۱۶ء میں دہلی میں ہوا اور درگاہ خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے ابوالحسن حقانی تھے وہ بھی اب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔

مولوی عبدالرب واعظ

مولوی عبدالرب واعظ۔ دلّی کے مشہور واعظ اور جید عالم دین تھے۔ مولوی عبدالرب واعظ مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اردو بازار مچھلی والان کی مسجد میں ۲۹ برس تک وعظ کیا اور خلق اللہ کو اپنے وعظ سے محظوظ و مستفید کیا۔

مولوی عبدالرب واعظ جامع مسجد سہارنپور اور مدرسہ عبدالرب دہلی کے بانی تھے۔ انھوں نے اپنی چہیتی بیٹی کے نام پر مسجد آسیہ بیگم تعمیر کرائی اور اسی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ عبدالرب کے نام سے مشہور ہے اور اس میں آج تک دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

مولوی عبدالرب ایک اچھے مصنف تھے۔ انھوں نے خلفائے راشدین کے حالات زندگی پر ایک اہم کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا نام بھی انھوں نے اپنی صاحبزادی آسیہ بیگم کے نام پر فردوس آسیہ رکھا۔ مولوی عبدالرب کو اپنی صاحبزادی کے انتقال کا بڑا صدمہ و ملال تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب فردوس آسیہ میں بڑے دردوالم کیساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

کرصبر تو بھی کاتب صدمہ میں آسیہ کے   فردوس میں وہ خوش ہے روتا ہے تو مکان میں

میرے سامنے آسیہ مر گئیں   میں تکتا رہا، وہ روانہ ہوئیں

آسیہ بیٹی کا بھی یہ حال تھا   وہ نہ ہوتی تھی کبھی مجھ سے جدا

جنت الفردوس میں وہ جا بسیں   لاکھ ڈھونڈوں اب نہیں ملتا پتا

خواب میں آتی ہیں ترسا کر کبھی   اس میں بھی راضی ہوں اے رب العلا

مولوی عبدالرب واعظ کا انتقال ۱۳۰۵ھ میں دہلی میں ہوا اور قبرستان خواجہ باقی باللہ میں آرام فرما ہیں۔ آپکی قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد

شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد اردو زبان کے صاحب طرز ادیب، بلند پایہ ناول نگار اور یگانہ روزگار خطیب تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی ولادت ۶ دسمبر ۱۸۳۶ء میں بجنور مغربی اتر پردیش میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام مولوی سعادت علی تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ نو برس کی عمر تک اپنے والد سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد تقریباً پانچ سال تک مولوی نصراللہ خان ڈپٹی کلکٹر بجنور سے عربی، نحو، منطق اور فلسفہ پڑھا۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی آئے اور پنجابی کٹرے کی مسجد میں مولوی عبدالخالق مرحوم سے پڑھنے لگے پھر کچھ دنوں کے بعد دلّی کالج میں داخل ہوئے اور وہاں مشہور عالم دین استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد خاص ہوئے۔ اور رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم ایک شہرہ آفاق مصنف تھے۔ ناولوں کے علاوہ بہت سی تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ابتدا میں تو ڈپٹی نذیر احمد کلام پاک کے ترجمے کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان اصل الفاظ کو بھول گئے تو اسلام کی آب و تاب جاتی رہے گی۔ لیکن آخر کار ان کی رائے میں تبدیلی ہوئی اور وہ ترجمے کو اس لئے ضروری سمجھنے لگے کہ قرآن حکیم کو سمجھے بغیر عقائد میں پختگی آنی مشکل ہے۔ چنانچہ انھوں نے بڑی محنت و لگن کے ساتھ قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ کیا جو ادبی اور دینی حلقوں میں غیر پسندیدہ قرار پایا۔ چنانچہ مرزا فرحت اللہ بیگ "مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی" میں لکھتے ہیں۔

"مولوی صاحب کو اپنے ترجمہ پر ناز تھا اور اکثر اس کا ذکر فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے۔ اردو ادب میں ان کی جن تصانیف نے دھوم مچائی ہے وہ ان کے نزدیک بہت معمولی چیز تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری تمام عمر کا اصلی سرمایہ کلام مجید کا ترجمہ ہے۔ اس میں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ہے اس کا اندازہ کچھ میں ہی کر سکتا ہوں۔ ایک ایک لفظ کے ترجمہ میں میرا سارا سارا دن صرف ہو گیا ہے۔ میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بٹھایا ہے۔" ہم نے کہا مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ہے۔" جہاں یہ فقرہ کہا اور مولوی صاحب اچھل پڑے۔ بڑے خفا ہوئے اور کہنے لگے، کل کے لونڈے میرے محاروں کو غلط بتاتے ہو۔ میاں میری اردو کا سکہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے۔ خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے۔"

(مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی ص ۶۹)

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم ایک بہترین مقرر اور خطیب تھے۔ وہ اپنی تقریروں میں آیات قرآنی، احادیث نبویہ اور عربی اقوال بکثرت استعمال کرتے تھے، جس سے ان کی تقریر زیادہ پرکشش ہو جاتی تھی۔ اور سامعین نہایت دلچسپی سے سنتے تھے۔ مولوی صاحب ماہر نفسیات تھے۔ دورانِ تقریر پر لطف واقعات، تاریخی اور نیم تاریخی قصے، چٹکلے اور لطیفے سنا سنا کر حاضرین کو ہنساتے اور محظوظ کرتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے سرسید احمد خاں فراہمی مالیات کے سلسلہ میں مولوی صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور مولوی صاحب تو چندہ لگانے میں ماہر تھے۔

ڈپٹی نذیر احمد کا انتقال ۱۳۳۰ھ میں دہلی میں ہوا۔ آپ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن کئے گئے۔

علامہ دین نذیر احمد — بدر رحمت کبریا حیاتش
خواجہ زبشیر گفتہ برخواں — واغفر لابی سن وفاتش
۱۳۳۰ھ

مولوی بشیر الدین احمد

مولوی بشیر الدین احمد کی ولادت ۲۴ اگست ۱۸۶۱ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ آپ کے والد ماجد شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد اردو زبان کے مشہور ادیب اور اسلام کے مفکر و دانشور تھے۔ مولوی بشیر احمد بھی اپنے نامور والد کی طرح اردو کے مایہ ناز ادیب اور عظیم مورخ تھے۔ مولوی بشیر الدین احمد صاحب کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ کی اہم ترین یادگاریں "تاریخ بیجا پور" اور "واقعات دار الحکومت دلی" ہیں۔

واقعات دار الحکومت دلی ۔ دلی کے آثار پر مستند و معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے بڑی محنت و مشقت کے ساتھ دلی کے مقابر، مساجد اور تاریخی عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مولوی بشیر الدین احمد ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ نے سب سے پہلے استاد بیخود دہلوی کی شاگردی اختیار کی پھر سائل دہلوی کو اپنا کلام دکھایا اور ان دونوں سے نہ نبھ سکی تو آخر میں نوح ناروی کے شاگرد بن گئے اور بہت جلد صاحب دیوان شاعر ہو گئے۔

مولوی بشیر الدین احمد اگست ۱۹۲۷ء میں رحلت فرما گئے اور احاطہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں اپنے والد کے قریب ہی کہیں دفن ہوئے۔ تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو آپ کی قبر نہ مل سکی۔

بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ؎

ٹھوکریں کھائیں حوادث کی ہزاروں میں نے نفس سرکش میرا مجبور ہوا خوب ہوا

عمر تو رندی و مستی میں گزاری میں نے

اب مے عشق سے مخمور ہوا خوب ہوا

غرق دریائے معاصی ہوں مگر ہے امید میں سہارے سے شفاعت کے ابھی اچھل جاؤنگا

کون ہے آپ کا ہمدم بشیر زخم دل کس کو یہ دکھلائے گا

بیخود دہلوی

وحید العصر سید وحید الدین احمد بیخود دہلوی اردو کے باکمال خوش گو شاعر، استاذ داغ دہلوی کے شاگرد خاص اور دلی کی قدیم تہذیب وثقافت کے امین تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں ریاست بھرت پور راجستھان میں ہوئی۔ آپ کے والد سید شمس الدین احمد عرف سید احمد الم ایک اچھے شاعر تھے۔

حضرت بیخود دہلوی کا پورا خاندان مغل دربار سے وابستہ تھا۔ چنانچہ بیخود دہلوی کو ولادت کے کچھ ہی دن بعد دہلی لایا گیا اور دہلی کے عمائدین وشرفاء میں آپ کی ذہنی وعلمی پرورش ہونے لگی۔

بیخود صاحب قدرت کی طرف سے شعر وشاعری کا ذوق لطیف لے کر آئے تھے۔ اور آغاز شباب میں ہی عمدہ اشعار کہنے لگے تھے جیسا کہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب آپ نے یہ شعر کہا تو اس وقت آپ کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ ؎

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا
تیر نگاہ یار کدھر سے نکل گیا

بیخود صاحب مرزا داغ دہلوی کے چہیتے شاگرد تھے۔ بیخود صاحب مرزا داغ دہلوی کے رنگ وآہنگ میں شعر کہتے تھے۔ بیخود صاحب پر داغ صاحب کا گہرا رنگ تھا۔ خود بیخود صاحب کو اس کا شدید احساس تھا۔ چنانچہ بیخود صاحب کہتے ہیں۔ ؎

زبان استاذ کی بیخود ترے حصے میں آئی ہے
پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دل کو

وحیدالدین احمد دہلوی کا انتقال ۲ ؍اکتوبر ۱۹۵۵ء میں بعمر ۹۷ سال دہلی میں ہوا۔ بیخوؔد صاحب کے وصال کے بعد ادبی و علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر سمت سے یہی آواز آئی کہ ؎

زندہ تھا بیخوؔد کے دم، نام داغؔ دبیرؔ کا
آج رخصت ہوگیا وہ خانما برباد بھی

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے جوار میں دفن ہوئے۔ بیخوؔد صاحب کی قبر درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے گیٹ کے قریب ہی ہے۔ آپ کی قبر پر لوح لگی ہے۔ لوحِ تربت پر یہ کندہ ہے۔

هوالحی

وحیدالعصر سید وحیدالدین بیخوؔد دہلوی

۱۹۵۵ء   ۱۸۵۹ء

وفات   ولادت

مخمور دہلوی

ڈاکٹر سید فضل الٰہی مخمور دہلوی کی ولادت ، نومبر ۱۹۰۰ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حاجی نور احمد تھا۔ ڈاکٹر مخمور دہلوی اردو زبان کے مایۂ ناز اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ حضرت بےخود دہلوی کے تلمیذ رشید تھے۔ ڈاکٹر قمر رئیس صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مخمور دہلوی اساتذہ دہلی کی اس آخری صف میں سے تعلق رکھتے تھے، جس نے آزادی سے پہلے ہی اپنے لئے ایک مقام پیدا کر لیا تھا ان میں حضرت سائل دہلوی، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، علامہ زار اور لالہ سری رام جیسے کاملین شامل تھے۔"

ڈاکٹر سید فضل الٰہی مخمور دہلوی ایک نیک طبع و نیک سیرت بزرگ تھے۔ دہلی کے علماء اور ائمہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ آپ علماء کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور اپنی غزلوں اور نعتوں سے ان لوگوں کو محظوظ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قاری محمد ادریس چیرمین دلی وقف بورڈ تحریر فرماتے ہیں

"کم و بیش تیس سال پہلے کی بات ہے۔ گرمی کے دنوں میں تقریباً ہر سال مرحوم حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب کسی روز چاندنی رات میں عشاء کے بعد انڈیا گیٹ کے کشادہ لان میں اپنے احباب کے ساتھ ایک تفریحی پروگرام رکھا کرتے تھے، جس میں حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی، حضرت قاضی سجاد حسین صاحب، بیرسٹر نور الدین احمد، الحاج محمد صالح صاحب آف فرم حاجی علی جان نواب سلطان یار خان ایڈوکیٹ

مولانا سید انیس الحسن صاحب، مولانا فقیہ الدین صاحب اور دوسرے احباب جمع ہوتے تھے۔ رنگ برنگ کے کھانوں کا، کبھی آئس کریم کا، کبھی آموں کا اہتمام ہوتا تھا۔ ایسی مجلسوں میں کئی بار مخمور صاحب کو بفرمائش بلایا جاتا تھا اور پھر ان کی غزلوں اور اشعار سے سب ہی رفقاء لطف اندوز ہوتے تھے"۔ (کلیات مخمور ص ۳۴)

ڈاکٹر مخمور دہلوی صاحب دیوان شاعر تھے۔ مادہ مخمور، عرفان مخمور اور کلیات مخمور آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

غم نے اب اس مقام پر پہنچا دیا مجھے
کوئی مرے سوا نہیں پہچانتا مجھے

بڑے سکون سے مخمور زندگی گزرے
غم حیات سے انسان اگر نہ گھبرائے

ہجوم غم مری فطرت بدل نہیں سکتا
میں کیا کروں مجھے عادت ہے مسکرانے کی

ہوگیا مخمور اس آغاز کا انجام بھی
میں نے غم کھا تو لیا لیکن مجھے غم کھا گیا

ڈاکٹر فضل الٰہی مخمور دہلوی ۱۹۰۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء میں مخمور صاحب راہی ملک بقا ہوگئے اور استاد بیخود کے قریب ہی درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔

حاجی محمد اسماعیل جاپان والے

الحاج حافظ محمد اسماعیل صاحب جاپان والے۔ دلّی کے مشہور و معزز پنجابی برادری کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۸۸۷ء میں دنیائے آب و گل میں آئے۔ ان کے والد ماجد حاجی جیون بخش ایک شریف النفس بزرگ تھے۔ فتح پوری مسلم سینیر سکنڈری اسکول کے جیون بخش ہال آپ کی یادگار ہے۔

محمد اسماعیل جاپان والے مرحوم کی ابتدائی تعلیم دلّی میں ہوئی اور دلی میں ہی قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید کی مشق کی۔ وہ ایک جید حافظ قرآن اور بہترین قاری تھے۔ موصوف حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن کاروباری مصروفیات کی بنا پر تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ آپ تجارتی مشاغل میں الجھ کر رہ گئے۔ آپ بڑے مخیر اور دیانتدار تاجر تھے۔ آپ کے نام کے ساتھ "جاپان والے" کی نسبت اس وجہ سے لگی ہے کہ اس وقت آپ کے تجارتی روابط جاپان سے تھے۔ آپ نے جاپان میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ الحمدللہ آج بھی وہ تاریخی مسجد موجود ہے اور نماز باجماعت ہوتی ہے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے دینی مدارس اور مکاتیب کی بڑی پُرخلوص مدد کرتے تھے۔

حاجی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے مشہور بزرگ اور شیخ طریقت تھے۔ آپ کو نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ چاروں سلاسل اور طرق میں بیعت کرنے کی اجازت تھی۔ آپ کو شیخ احمد شریف سنوسی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی اجازت حاصل تھی۔

حاجی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ اپنی کتاب معمولات مشائخ میں رقمطراز ہیں :

"مجھے اوائل عمر ہی سے اعمال و وظائف کا شوق ہے اور شکر ہے کہ میری محنت کا پھل ملتا ہے اور میری کوششیں کامیاب ہوتی رہیں اور اسی سلسلہ میں اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے بھی ملاقات ہوتی رہی، جن کی صحبت وارشاد سے بھی مجھے بہت مدد ملی اور ان کے بعض اذکار واشغال کی باقاعدہ اجازت بھی لی۔ حج بیت اللہ کے زمانہ میں شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہ العزیز کے چودہ احزاب کی اجازت حضرت عارف باللہ مجاہد فی سبیل اللہ شیخ احمد شریف سنوسی رحمۃ اللہ علیہ سے ملی ہے۔ اسی طرح ان تمام اوراد کی اجازت مشائخ سے حاصل کی ہے۔

(دیباچہ معمولات مشائخ ص ــــ)

محمد اسمٰعیل صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے مرید اور مجاز تھے۔ حضرت تھانوی ان کی طبعی شرافت، منکسرالمزاجی اور کمال زہد و ورع سے متاثر ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے ان کے ولی ہونے میں شک ہے۔"

حضرت تھانوی ؒ کے اس محتاط تبصرہ کے بعد جاپان والے ؒ صاحب کی بزرگی اور دینداری میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے علاوہ حضرت اخوند شاہ محمد عمر سے بھی اجازت حاصل تھی۔

تصوف سے آپ کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ آپ نے تصوّف وسلوک کے اہم مسائل اور مباحث پر "معمولات مشائخ" کے نام سے ایک اہم اور مفید کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب بہت پہلے شائع ہوئی تھی لیکن اب مارکیٹ میں نہیں ملتی ہے ـــــــ سنا ہے کہ یہ کتاب حاجی صاحب مرحوم کے پوتے محمد سلیمان جاپان والے صاحب حضرت مولانا فقیہ الدین صاحب کی سرپرستی میں جلد ہی شائع کرنے والے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ، سحبان الہند مولانا احمد سعید، شیخ الادب والتفسیر مولانا عبدالحق مدنی، امام القراء مولانا قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی اور مولانا حسین احمد مدنی سے ان کا بڑے گہرے روابط اور مراسم تھے۔ اتنے بڑے سرمایہ دار تاجر ہونے کے باوجود علماء اور مشائخ سے اس قدر تعلق ولگاؤ آپ کی بزرگی اور بے نفسی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ان کا انتقال ۱۹۵۷ء میں بعمر ۷۰ سال دہلی میں ہوا اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی پائینتی میں دفن ہوئے۔ حاجی صاحب کی پائینتی میں آپ کے پوتے محمد سلیمان صاحب کا سرداد ہے۔ لوحِ مزار پر یہ تحریر ہے۔

۷۸۶

روضۂ رہنمائے جہاں

۱۳۷۶ھ

ارتحال خلیل اللہ

حضرت الحاج محمد اسمٰعیل بادل رحمۃ اللہ علیہ جاپان والے

تاریخ وفات ۹ شعبان ۱۳۷۶ھ بمطابق ۱۲ مارچ ۱۹۵۷ء

یوم شنبہ بوقتِ صبح

سید عزیز حسن بقائیؒ

حافظ سید عزیز حسن بقائی دلی کے مشہور قوم پرست، تحریک آزادی کے نامور مجاہد اور "اخبار پیشوا" اور "اخبار حریت" کے ایڈیٹر تھے۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم، سید عزیز حسن بقائی مرحوم کے متعلق لکھتے ہیں کہ "حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی اولاد ہیں جن کا مزار دہلی میں بہت مشہور ہے، اور جو حضرت شیخ احمد سرہندی رح مجدد الف ثانی کے پیر تھے اور جنکے مزار کے اطراف میں دہلی کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔

بقائی صاحب میری زندگی کے ابتدائی رفیقوں میں ہیں لیکن ان کی مادری تربیت میرے رفیقوں میں سب سے نمایاں ہے کیونکہ یہ دو برس کے تھے جب کے والد نے انتقال کیا اور ان کی والدہ نے ایسی اچھی تربیت دی کہ یہ اپنی ابتدائی زندگی میں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے"،

پہلے اپنا ذاتی چھاپے خانہ جاری کیا پھر میری رفاقت میں تحریری کام کرتے رہے اس کے بعد اخبار رسالہ "پیشوا" جاری کیا اور پھر کئی اخبار حریت وغیرہ کے ناموں سے جاری کئے بہت بے باکی سے لکھنے کی عادت ہے، اتنی زیادہ بے باکی کے بہت کم آدمی ہندوؤں اور مسلمانوں ان جیسے بے باک پائے جائیں گے۔ مادر ہمدرد ص ۲۴

آپ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں۔ آپ کی قبر پر کتبہ نہیں ہے۔

حکیم خلیل الرحمن نار سائلی

حکیم خلیل الرحمن نار آزادی وطن کے پرجوش مجاہد اور ماہر طبیب و معالج تھے کیش گنج میں آپ کا مطلب تھا۔ آپ کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا۔ نواب سائل کے شاگرد تھے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ، سحبان الہند احمد سعید دہلوی اور دوسرے اکابر ملت سے گہرے روابط و مراسم تھے۔ آپ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی حفاظت میں پیش پیش رہے۔ آپ کا انتقال ۱۳۹۴ھ میں ہوا۔ خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر احاطہ خواجہ باقی باللہ میں واقع ہے۔ آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

مرقد

حکیم حاجی خلیل الرحمن نار سائلی نائب صدر طبی کانفرنس دہلی

ولد محمد اسمٰعیل دہلوی ۱۰۸۰ محلہ کشن گنج دہلی

جنھوں نے جنگ آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

قطعۂ تاریخ وصال

دار فنا کو چھوڑ کے دار بقا میں آج
روح خلیل ہوگئی اب خلد میں مقیم
سال وفات کی جو ہوئی دل کو جستجو
آئی ندائے غیب "ہوئی بخشش نعیم"

۱۳ھ۹۴

مولانا علیم اختر

مولانا علیم اختر کی پیدائش ۱۹۱۴ء کو حسن پور بسیرا ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔
آپ کے والد کا نام محمود احمد تھا۔
مولانا علیم اختر صاحب ایک نیک طبیعت بزرگ تھے۔ آپ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مرید تھے اور وظائف کے بڑے ہی پابند تھے۔ مولانا علیم اختر مرحوم اردو کے مشہور و معروف غزل گو شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ حضرت اکمل مظفر نگری اور حضرت سیماب اکبر آبادی کے شاگرد تھے اور بڑے سلیس اور سادہ زبان میں شعر کہتے تھے۔ مجموعہ نکہت گل اور نعتیہ مجموعہ انوار ارم آپ کی یادگار ہیں۔
حضرت علیم اختر مرحوم کی آخری غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دل کا یہ حال ہوا اُن سے ملاقات کے بعد
اب کوئی بات بھی ہوگی نہ کسی بات کے بعد

اُف یہ عالم کوئی آنسو بھی نہیں آنکھوں میں
اس طرف سے گلہ، حرف و حکایات کے بعد

اس طرح رات کو پہلو میں لئے بیٹھا ہوں
جیسے اب صبح نہ آئے گی کوئی رات کے بعد

کس قدر مجھ سے وہ بدظن ہیں مری باتوں پر
دیکھتے ہیں وہ مرے منہ کو ہر اک بات کے بعد

مولانا علیم اختر ۲۱ر اپریل ۱۹۷۲ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر درگاہ کی اندرونی دیوار سے متصل، دروازہ کے قریب میں واقع ہے۔ آپ کی قبر پر کوئی لوح نہیں ہے۔ البتہ دیوار پر یہ عبارت درج ہے۔

مرقد
شاعر خوش بیان
مولانا علیم اخترؔ مظفر نگری
تاریخ وفات ۲۱ر اپریل ۱۹۷۲ء بروز جمعہ

حکیم عبدالمجید

حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مرحوم کی پیدائش دہلی کے ایک مشہور تجارتی و دینی خانوادہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ شیخ رحیم بخش تھا۔

حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مرحوم نے مکتبی تعلیم کے بعد قرآن مجید کا حفظ کیا اور آپ اپنی فطری ذہانت و ذکاوت کی بنا پر بہت ہی جلد حفظِ قرآن مجید سے فراغت حاصل کر لی اور تجوید و قرأت کی تمرین و مشق شروع فرما دی۔ آپ ایک بہترین حافظِ قرآن مجید تھے۔ اور آپ کو قرآن مجید سے بڑا شغف و تعلق تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بلند اقبال دونوں صاحبزادوں میں سے حکیم حافظ محمد سعید صاحب کو بھی قرآن مجید حفظ کرایا اور آپ ہی کی طرح آپ کے یہ صاحبزادے بھی بہترین حافظِ قرآن مجید ہیں۔

حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم ایک حکیم اور ماہر ادویہ ساز بزرگ تھے۔ اور آپ فن طبابت اور ادویہ سازی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی تیار کردہ دوائیں بہت ہی مفید اور سستی ہوتی تھیں۔ چنانچہ آپ کے معاصر اور مشہور ادیب شمس العلماء خواجہ حسن نظامی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"حکیم حافظ عبدالمجید صاحب چونکہ ارزاں فروش ہیں اور دوائیں ایمانداری سے اور دیانتداری سے بناتے ہیں۔ اس واسطے مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔" (مادرِ ہمدرد) ص ۱۴۹

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبؒ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور حکیم عبدالمجید صاحب کی دوائیں بہت ہی مقبول ہوئیں اور آج بھی ہمدرد کی بعض دوائیں آپ ہی کے فارمولے کی بنا پر بے حد مقبول ہو رہی ہیں۔

حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم ہی ایشیا کے مشہور و معروف قومی ادارہ "ہمدرد" کے بانی و موسس تھے۔ آج ہمدرد کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہے، وہ دراصل حکیم حافظ عبدالمجید صاحب کی غیر معمولی محنت و خلوص کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر ہمدرد یونیورسٹی کی خداداد صلاحیتوں اور ان تھک جدوجہد نے ہمدرد کو بام عروج پر پہنچایا۔

حکیم عبدالحمید صاحب ایک علم دوست شریف النفس بزرگ اور طب یونانی کی علامت و نشان ہیں۔ اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے آمین۔

چنانچہ شمیم طارق صاحب لکھتے ہیں:

"بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حکیم عبدالحمید صاحب کے ذاتی اخلاص اور فنی امتیاز نے طب یونانی کو آج اس منزل پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں اسے دشواریوں، پریشانیوں کے باوجود فنا ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ آنے والی نسلیں ہندوستان میں طب یونانی کو حکیم عبدالحمید صاحب کے حوالے سے پہچانیں گی۔ بیک وقت کئی دائروں میں انھوں نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اور کوئی بھی پہلو دوسرے پہلو سے دبتا ہوا محسوس نہیں ہوتا۔"

(ہفت روزہ بلٹز ۲ر نومبر ۱۹۹۱ء)

حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے حکیم حافظ محمد سعید صاحب پاکستان میں علمی و تعمیری کاموں میں مصروف ہیں۔ حکیم عبدالمجید صاحب کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہوا۔ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں ایک خوبصورت چبوترہ پر اپنے خاندان کے چند معزز اقرباء کے ساتھ محو راحت ہیں۔ آپ کی لوح پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک الجلال والاکرام

ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ باقی رہنے والی ذات باری تعالیٰ کی ہے جو عظمت والا ہے۔

ھوالحی

حکیم حافظ عبدالمجید

۱۸۸۳ء — ۱۹۲۲ء

بانی ہمدرد

اسی احاطہ میں حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ بھی آرام فرما ہیں۔ مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہونے کے ساتھ ساتھ بہت منتظم اور مخیر خاتون تھیں اور جن کی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر لوگوں کے درمیان یہ مشہور تھا کہ ان کو دست غیب حاصل ہے۔ چنانچہ شمس العلما خواجہ حسن نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دن کسی واقف کار نے مجھ سے کہا حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مرحوم کی بیوی (رابعہ بیگم صاحبہ) بڑی نصیبے والی ہیں۔ کسی نے ان کو دستِ غیب کا عمل بتایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خاوند کا دواخانہ ہمدرد دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔" مادر ہمدرد صفحہ ۱۵۰۔

اسی احاطۂ بانی ہمدرد میں ننھی بیگم صاحبہ خواہر بانی ہمدرد اور حافظ عبدالوحید صاحب مرحوم صاحبزادے بانی ہمدرد بھی محو استراحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو ابدی سکون و اطمینان عطا فرمائے۔ آمین!

خواجہ عبدالعدل

خواجہ عبدالعدلؒ خواجہ محمد زبیر مجددی نقشبندیؒ کے اجل خلفاء اور مجازین میں تھے۔ آپ مشہور شاعر خواجہ محمد ناصر عندلیب والد خواجہ میر دردؒ کے پیر بھائی تھے۔ آپ بڑے خداترس، درویش صفت بزرگ تھے، آپ کی قبر خواجہ حسام الدین کے مزار سے دس قدم کے فاصلے پر مشرق کی جانب واقع ہے۔

شاہ عبدالرحیم ہادی

شاہ عبدالرحیم ہادیؒ ایک زبردست عالم دین اور بلند مرتبہ درویش تھے، آپ نے ہریانہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا اور آپ کی ذات سے مخلوق خدا کو کافی فیض پہنچا۔ آپ کا انتقال ۱۳۰۵ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار احاطہ خواجہ باقی باللہ میں ہے۔

اخوند حافظ عبدالعزیز دہلوی

اخوند حافظ عبدالعزیز دہلویؒ دلی کے مشہور حفاظ اور قراء میں تھے۔ آپ نے ۹ سال کی عمر میں حافظ اخوند برہان الدینؒ سے قرآن مجید حفظ کیا اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا تھا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

اخوند حافظ عبدالعزیز دہلویؒ کبار علماء اور مشاہیر مشائخ میں تھے۔ آپ نے ۱۲۹۲ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار خواجہ باقی باللہ کے مزار سے متصل چند قدم کے

فاصلے پر جانب شمال و مشرق ایک چھوٹی سی علیحدہ چار دیواری میں ہے۔ آپ خوبصورت چبوترہ پر آرام فرما ہیں۔ آپ کے مزار کے اطراف و جوانب میں بڑے اخوندجی، مولانا محمد عمر اور مولانا مسعود غوث صاحب کی قبریں ہیں۔ ان قبور سے متصل درگاہ کی خوبصورت اور تاریخی مسجد ہے۔ مسجد پر یہ کتبہ سرخ پتھر پر سیاہ حرفوں سے مزین و آویزاں ہے۔

سبحان اللہ

حمد اللہ خدائے ذوالجلال	سال تاریخش چہ خوش تقدیر شد
مدعا و مقصد کلی نصیب	حیرت دل خستہ بس دلگیر شد
از در فیض ندائے شد بلند	مسجد کعبہ نما تعمیر شد

۱۹ ہجری ۱۳

مولانا کرامت اللہ خاں

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور قیام و صلوٰۃ اور میلاد وغیرہ اختلافی مسائل میں حضرت حاجی صاحب سے مکمل طور پر متفق تھے۔

دلی کے مشہور مدرسہ حسین بخش میں مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کے پاس سالہا سال وعظ کیا۔ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی تھا۔ تذکرہ اخوان نامی کتاب کراچی سے ان کے صاحبزادے مولانا مسعود صاحب نے شائع کی، جس میں علم غیب اور بشریت وغیرہ کے مسائل میں دیوبندی علماء کی تائید کی۔

حضرت مولانا کرامت اللہ خاں کا مزار احاطہ خواجہ باقی باللہ نقشبندی میں ہے۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

مفتی محمد یعقوب دہلوی

مفتی محمد یعقوب صاحب دہلوی دلی میں حوض قاضی والے مفتی صاحب سے مشہور تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے مفتی صاحب سے معقولات کی چند کتابیں پڑھی ہیں بقرعید کے موقع پر ان کی گائیں کیلئے قربانی کے لئے بڑے اہتمام سے جاتی تھیں۔ دلی میں اس پر ہندو مسلم کشیدگی بھی رہتی تھی۔ انگریزی حکومت مفتی صاحب کی اس رسم کی نگرانی کرتی تھی۔ ان کے والد مولانا کریم اللہ صاحبؒ لال قلعہ کے درباری واعظ یہ دونوں بزرگ خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں۔

مولانا ضیاء الحق دیوبندی

مولانا حافظ ضیاء الحق دیوبندی ایک علمی و مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد کا نام مولانا سراج الحق تھا۔

مولانا حافظ ضیاء الحق دیوبندی فاضل دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی اور مولانا امین الدین اورنگ آبادی کے ہم سبق اور ہم وار تھے۔ بڑے صاحب علم و فضل اور عمدہ حافظ قرآن تھے۔

مولانا امین الدین اورنگ آبادی نے جب دہلی میں مدرسہ امینیہ قائم کیا تو آپ کو دیوبند سے دہلی بلایا اور مدرس دوم مقرر کیا اور آپ آخری دم تک مدرسہ امینیہ میں مدرس رہے اور نہایت عالمانہ انداز میں قرآن و حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ طلبہ آپ کے گرویدہ اور بڑے مداح تھے۔

مولانا حافظ ضیاء الحق دیوبندی کا انتقال یکم شعبان ۱۳۷۳ھ میں دہلی میں ہوا۔ آپ کی عمر وفات کے وقت ۸۳ سال تھی۔ آپ کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار کے قریب ہے لیکن بے نام ونشان ہے۔

حکیم محمود احمد خاں

حکیم محمود احمد خاں دلی کے مشہور شریفی خاندان کے چشم وچراغ اور حکیم حاذق تھے۔ آپ کا انتقال ۴ر جولائی ۱۹۷۵ء میں ہوا اور حکیم صاحب کو درگاہ خواجہ باقی باللہ میں مزار خواجہ خوردؒ کے قریب ہی دفن کیا گیا، آپ کی قبر پر کتبہ موجود ہے، جس پر تحریر ہے۔

مولانا عبد الماجد دہلویؒ

مولانا عبد الماجد دہلوی دلی کے مشہور واعظ اور مفسر قرآن تھے۔ مولانا عبد الماجد دہلوی نواب والی مسجد گلی قاسم جان میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ جمیعۃ العلماء صوبہ دہلی کے جنرل سکریٹری بھی رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کے ساتھ کام کیا اور مسلمانوں کو حوصلہ دیا۔

مولانا عبد الماجد دہلوی کا انتقال دہلی میں ہوا اور قبرستان خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر مٹ گئی ہے۔

حافظ عبد العزیز انصاری

پرانی عید گاہ کے مشہور تبلیغی اور جمیعتی شخصیت ہے۔ آپ نے اس دور میں اپنے تمول سے دینی اور قومی تحریکات کی بھرپور اعانت کی جب کہ تقسیم کے سبب "دلی" ارباب ثروت سے خالی ہو چکی تھی۔ آپ کی قبر درگاہ خواجہ باقی باللہؒ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین

حافظ علی محمد انصاری

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں اس مرد مجاہد نے ایک رضاکار کی حیثیت سے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اور جمیعۃ علماء اور کانگریس کی ریلیف سرگرمیوں میں حصہ لیا وہ مرحوم کی آخرت کے لئے بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا، بالکل درویش صفت آدمی تھے۔ آپ کی قبر درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں ہے۔

شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی عارف باللہ، شیخ طریقت اور روحانی پیشوا تھے۔
آپ کی ولادت باسعادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ میں ہوئی۔ "لفظ غنی" سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ آپ کے والد کا نام شیخ حاجی نور اللہ تھا، جو ایک لائق و فائق انجینئر تھے۔

شیخ کلیم اللہ نے ظاہری علوم و فنون کی تحصیل شیخ ابوالرضا سے کی اور علوم ظاہری میں کمال حاصل کرنے کے بعد جب باطنی علوم و معارف کے اکتساب کا شوق پیدا ہوا تو آپ شیخ طریقت اور مرشد کامل کی تلاش و جستجو میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عارف کامل، فنا فی اللہ بزرگ سے ملاقات ہوئی اور جب شیخ نے ان کے سامنے اپنی تمنا کا اظہار کیا تو انھوں نے شیخ یحییٰ مدنیؒ سے بیعت کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور شیخ یحییٰ مدنیؒ سے بیعت کی درخواست کی جس کو شیخ مدنیؒ نے فوراً قبول فرمالیا اور صرف بیعت ہی نہیں کی بلکہ بہت جلد خرقۂ خلافت بھی مرحمت فرمایا۔

شیخ کلیم اللہؒ اس کے بعد اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق ہندوستان واپس آکر جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان قیام پذیر ہوگئے اور درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری فرمادیا جس سے ہزاروں تشنگان علوم ظاہر و باطن مستفید ہوکر عالم ربانی و مرشد کامل بنے اور درج ذیل اہم کتابیں بطور وراثت علمی کے چھوڑیں۔
"مکتوبات کلیمی"، "سواء السبیل"، "تسنیم"، "عشرۂ کاملہ"، "کشکول اور قرآن القرآن"۔

شیخ کلیم اللہؒ کا وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ میں بعمر ۸۱ سال ہوا، آپ کا

مزار جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان اور مولانا آزاد دنگل میدان کے قریب ہے جو درگاہ شیخ کلیم اللہ سے مشہور و معروف ہے۔ کسی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

فضل و کمال خویش بود ۔۔۔ و اہم قلب ایش بود
سال وصالش گفتہ ہاتف ۔۔۔ قطب زمانہ خویش بود

۱۱۴۲ھ

بیرسٹر نورالدین احمد

بیرسٹر نورالدین احمد مرحوم اصلاً قانون کے میدان کے آدمی تھے۔ لیکن سماجی وسیاسی کاموں سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا۔ وہ ایک خوددار، قومی خادم اور سچے پکے مسلمان تھے۔ اسلامی حمیت ان میں بدرجۂ اتم ودیعت کردی گئی تھی اور آپ بلا تفریقِ مذہب وملت ہر ضرورت مند کی جائز ضرورت پوری کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار وکمربستہ رہتے تھے۔

صاف گوئی، نیک نیتی، معاملہ فہمی، پابندیٔ معاملات، دینداری اور شرافت بیرسٹر صاحب کا طغرائے امتیاز تھا۔ جس کے ساتھ وہ ہر خاص وعام میں پہچانے جاتے تھے۔ اسی کا اظہار ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "نورالدین احمد صاحب صرف ایک شخصیت ہی کا نام نہ تھا۔ بلکہ ایک تہذیب، ایک روایت کا نام تھا۔ قلندرانہ بانکپن اور شائستہ ظرافت کے دلکش امتزاج تھا۔" (دلی والے ص۳۴۶)

ان سب کے باوجود بیرسٹر نورالدین احمد کا علماء اور صوفیائے مرحومینؒ سے بھی گہرا تعلق تھا۔ وہ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ سے خصوصی عقیدت رکھتے۔ آخرالذکر بزرگ کے مزار پر جمعرات کو حاضری دیا کرتے تھے۔ اسی قلبی لگاؤ کا اثر ہے کہ انتقال کے بعد ان کی آخری آرام گاہ بھی درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہؒ میں بنی۔ خدا غریق رحمت کرے۔ آمین۔

لوحِ تربت پر عبارت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل من علیہا فان　　یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

مرقد معدن فیض

۱۳ ۹۴ ھ

منزل نور آستانہ شیخ کلیم اللہ　　متوطنہ ریاض جنت

۷۴ ۶ ۱۹　　۷۴ ۶ ۱۹

زبدہ دارین جناب نورالدین احمد بیرسٹر رحمہم اللہ (سابق میئر آف دہلی)

۷۴ ۶ ۱۹۰

سال ولادت مبارک سیر و صورت　　سال وفات اندوہ افزا پر غم

۴ ۰ ۱۹ ۶　　۷۴ ۱۹ ۶

جوہر عظمت قانون بتانے والا　　خدمت خلق کا پیغام سنانے والا

حرم پاک کی پرکیف زیارت کرکے　　نشۂ مادۂ اسلام بڑھانے والا

پرورش یافتہ مرکز فیضان کلیم　　دکھ غریبوں کا زمانے میں بٹانے والا

بے غرض ملت انسان کی حمایت کا امین　　بے گناہوں کو مصائب سے چھڑانیوالا

جن کو ٹھکرایا زمانے کی فضا نے انور　　ان کو بے لاگ کلیجے سے لگانے والا

چل دیا منزل فانی سے سوئے دار بقا　　نیک راہوں کی طرف سب کو بلانے والا

برکت سلسلہ حب وطن نورالدین

۳۳ ۱۲ ھ

مرگیا دار سے دنیا کو بچانے والا

۱۷۴۱ + ۱۲۳۳ = ۱۹۷۴ء

شیخ رضی الدین

شیخ رضی الدین صاحب کی ولادت یکم اپریل ۱۹۱۱ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حاجی کریم الدین صاحب تھا۔ شیخ رضی الدین صاحب مرحوم شاندار بیڑی کمپنی والے، مشہور مجاہد آزادی تھے۔ آپ نے پاکستان کے سابق وزیر اعظم صاحبزادہ لیاقت علی خاں مرحوم کے ساتھ عرصۂ دراز تک کام کیا۔ صاحبزادہ صاحب مرحوم شیخ صاحب مرحوم کے خلوص اور جد وجہد آزادی کی بڑی قدر کرتے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد جب صاحبزادہ لیاقت علی خان مرحوم پاکستان منتقل ہو گئے تو آپ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا فقیہ الدین صاحب اور امام حمید بخاری کے ساتھ مل جل کر مسلمانوں کی جانی و مالی حفاظت میں مصروف ہو گئے اور شیخ صاحب آخیر تک ان علماء ملت اور زعماء ملت سے وابستہ رہے۔

شیخ رضی الدین صاحب کا انتقال ۱۶ دسمبر ۱۹۶۶ء میں دہلی میں ہوا اور درگاہ شیخ کلیم اللہؒ میں دفن کئے گئے۔ شیخ رضی الدین صاحب کی قبر احاطۂ درگاہ شیخ کلیم اللہ سے باہر کوٹ مارکیٹ میں واقع ہے۔ قبر کی چاروں طرف کوٹ کی دکانیں ہیں۔ ان ہی دوکانوں کے بیچ میں شیخ صاحب مرحوم کی قبر ہے۔ قبر پر کتبہ موجود ہے۔ اور اس پر یہ شعر کندہ ہے۔

سر دے کے بھی ملجائے اگر اس کی رضا   مہنگی نہیں ناداں بہت سستی ہے

سید عزیز الشفیع

سید عزیز الشفیع دیوبند کے مشہور علمی اور مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۴؍مئی ۱۸۹۵ء میں دیوبند میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید احمد شفیع تھا۔

سید عزیز الشفیع مشہور قانون دان اور اسپیشل جج تھے۔ بڑے متواضع اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ سید عزیز الشفیع کا انتقال ۱۸؍دسمبر ۱۹۷۹ء میں ہوا اور درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ میں نورالدین بیرسٹر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ قبر پر کتبہ کی عبارت یوں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

سید عزیز الشفیع اسپیشل جج دہلی

ولد سید احمد شفیع مرحوم

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی

مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

محمد نسیم صدیقی ایڈوکیٹ

محمد نسیم صدیقی ایڈوکیٹ دلّی کے مشہور و معروف وکیل تھے۔ آپ کا انتقال ۳ر جون ۱۹۸۴ء میں ہوا اور آپ درگاہ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر خوبصورت لوح لگی ہوئی ہے۔ لوحِ مرقد پر یہ عبارت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

محمد نسیم صدیقی ایڈوکیٹ

ولد محمد یوسف

تاریخ پیدائش ۱۳ر جون ۱۹۴۴ء

تاریخ وفات ۳ر جون ۱۹۸۴ء

ڈھونڈ گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

چودھری عبدالستار احراری

چودھری عبدالستار احراری مشہور مجاہد آزادی اور مجلسِ احرار کے پر جوش رہنما تھے۔ آپ دلی میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۴۷ء کی قیامتِ صغریٰ میں اغوا شدہ مسلم خواتین کی بازیابی اور مسلمانوں کی جانی و مالی حفاظت کی خاطر بڑی جدوجہد کی۔

چودھری عبدالستار احراری کا انتقال دہلی میں ہوا۔ درگاہ شیخ کلیم اللہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی قبر نیا قبرستان دلّی گیٹ میں ہے۔

محمد مستحسن فاروقی

محمد مستحسن فاروقی صاحب دلّی کی مشہور ہستیوں میں تھے۔ آپ کثیر الاشاعت ماہنامہ آستانہ کے مالک اور درگاہ شیخ کلیم اللہ کے سجادہ نشین تھے۔ آپ درگاہ شیخ کلیم اللہ میں احاطۂ مسجد سے باہر اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ آرام فرما ہیں۔ آپ کی تربت پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

تصغیر	خدا کے سائے رحمت میں
۱ = ۹ = ۱۴۵۹	۱۰۰ ۶۴۸ ۷۶ ۳۰ ۶۰۵
حاصلِ تصغیر ۱۴۰۰ھ	تربت فاروقی

۱+۳۹۷×۱۰۰۲

نقیب الاولیاء صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی

۱۹ ۶ ۸۰

راقم مہدی نظمی

۱۴۰۰ھ

سرمد شہید

سرمد شہید اصلاً یہودی النسل تھے۔ وہ اپنے آبائی عقائد سے بیزار ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور عہد شاہجہانی میں ہندوستان آئے اور دارا شکوہ مجذوبوں کا بڑا معتقد تھا۔ چنانچہ سرمد کی مجذوبانہ حالت سے متاثر ہو گیا اور عوام میں بھی سرمد کی کشف و کرامات کا بڑا شہرہ ہوا حالانکہ سرمد شہید ہمہ وقت برہنہ رہتے تھے اور معراج کے منکر بھی تھے۔

سرمد شہید فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کی رباعیات بڑی پُرلطف ہیں۔ سرخوش نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ایک دن میں اور ناصر علی سرہندی اور مرزا عبدالقادر بیدل جامع مسجد دہلی میں حوض کے کنارے بیٹھ کر شعر خوانی کر رہے تھے کہ سرمد آیا ہمیں دیکھ کر مسکرایا اور یہ شعر پڑھا ؎

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد

من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

چنانچہ اس کے بعد جلد ہی قتل کر دیئے گئے، کہتے ہیں کہ قتل کے وقت سرمد بڑے ہشاش بشاش تھے۔ جلاد سامنے آیا تو سرمد نے مسکرا کر کہا: ؎

"فدائے تو شوم، بیا بیا کہ بہر صورتے کہ مے آئی من ترا خوب مے شناسم۔"

اور مندرجہ ذیل سعر پڑھ کر تلوار کے نیچے گردن رکھ دی ؎

شورے شد واز خواب عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقی است شب فتنہ غنودیم

سرمد شہید کا مزار جامع مسجد کے پوربی دروازے کے سامنے شاہ ہرے بھرے کے مزار سے قریب مولانا شوکت علی مرحوم کی مسجد سے متصل ہے۔ سرمد شہید کے مزار پر چادر چڑھی رہتی ہے اور لوگ گل پوشی اور فاتحہ خوانی کرتے رہتے ہیں۔ سرمد کے مزار کی پیشانی پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

شاہ سرمد در عہد عالمگیر چوں سفر ساختہ بخلد بریں
گفت تاریخ اکبر مسکین لحد مرقد شہید سرمد ایں

۱۸ ربیع الثانی ۱۰۷۰ھ

مولانا سید احمد بخاری

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کا معمول تھا کہ وہ مذہبی و تعلیمی امور میں صحیح النسب سادات کو ترجیح دیتے تھے، امامت، خطابت، شہزادوں کی اتالیقی، مسند درس و تدریس اور منصب افتار و قضار پر سادات کو مامور کرتے تھے۔

شاہجہان بادشاہ نے جب دہلی میں شاہجہاں آباد کی بنیاد ڈالی اور قلعۂ معلّٰی کی تعمیر کی تو جامع مسجد کی امامت کے لئے ان کی نگاہ انتخاب سمرقند و بخاری کے صحیح النسب سادات پر پڑی، چنانچہ شاہجہاں کی خواہش پر شاہ بخارا نے مشہور بزرگ سید عبدالغفور شاہ بخاریؒ کو ہندوستان بھیجا اور سید عبدالغفور شاہ کو شاہجہاں بادشاہ نے جامع مسجد کی امامت کی خدمت پر فائز کیا۔ یہی سید عبدالغفور شاہ بخاریؒ، سید احمد بخاری کے مورث اعلیٰ ہیں۔ سید احمد بخاری کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں سید عبدالغفور بخاری سے جا ملتا ہے۔

شمس العلمار سید احمد بخاری مشہور بزرگ اور مخلص آدمی تھے۔ آپ کے متعلق سید یوسف بخاری اپنی کتاب "یہ دلّی ہے" میں لکھتے ہیں:

"سید احمد مرحوم جامع مسجد دہلی کے صرف امام ہی نہ تھے بلکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے مذہب و ملت کے ایک سچے بہی خواہ اور بے لوث خادم بھی تھے۔ امامت کے فرائض اور جامع مسجد کے نظم و نسق کے علاوہ قومی اور ملی جو خدمات بھی ان سے بن پڑیں، دم آخر تک سرانجام دیتے رہے۔" (یہ دلّی ہے صـ۸۷)

بلاشبہ شمس العلمار سید احمد بخاری انگریزوں کے قریب تھے۔ لیکن موصوف

اپنے رنگ میں مسلمانوں کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کے اسی وصف وکمال کو آپ کے دوست و دشمن دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مشہور ناقد امداد صابری صاحب لکھتے ہیں:

"امام صاحب حکومت برطانیہ کے وفادار تھے اور صاف طور پر کہا کرتے تھے کہ میں انگریزوں کا وفادار ہوں، اس کی بھلائی چاہتا ہوں، جو اس کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔ وہ سچے انگریزوں کے بہی خواہ تھے اور انگریز کا بھی ان کے ساتھ یہی سلوک تھا، انھوں نے سیکڑوں انسانوں کو چھوٹی بڑی نوکریاں دلائیں، دسیوں قاتلوں کو جن پر قتل کا الزام غلط تھا، تختہ دار سے بچوا یا۔ بہت سے مقدمات میں انھوں نے سفارشیں کیں تو وہ فوراً بچ گئے" (داستان شرف ص ۲۴۸)

شمس العلما حضرت مولانا سید احمد بخاری جامع مسجد دلی کے دسویں شاہی امام تھے۔ آپ کی قبر شاہجہانی جامع مسجد کے باغیچہ میں ہے۔ آپ کی لوح پر یہ مضمون موجود ہے، جس سے حضرت شاہی امام صاحب کے بہت سے اوصاف وکمالات کا اظہار ہوتا ہے۔

اللہ بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شمس العلما ہند

حضرت مولانا سید احمد بخاری

جامع مسجد دہلی کے دسویں شاہی امام

- دینی پیشوا، دینی رہنما، ملت کا درد رکھنے والا۔
- خدمتِ خلق کے لئے وقف جن کا بے مثال اثر و رسوخ بلا تفریق سب کے کام آتا تھا۔

- خالق کی بارگاہ میں مقبول، مخلوق کے دلوں پر سدا براجمان
- دلّی کی تہذیب و تمدن کے نمائندے، جن کی وفات کے ساتھ دلّی اور ہندوستان کی تاریخ کا ایک ورق پلٹ گیا۔
- جنھوں نے مسکرا کر موت کو لبیک کہا!

بعمر ۸۵ سال

وفات ۲۲ ر شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۹ ر ستمبر ۱۹۴۷ء

یوم سہ شنبہ دس بجے شب

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

یہ کتبہ حضرت کے پوتے سید عبد اللہ بخاری شاہی امام جامع مسجد دہلی نے ستمبر ۱۹۷۷ء میں مزار مبارک پر نصب کیا۔

مولانا سید حمید بخاری

امام السلطان حضرت مولانا سید حمید بخاری شاہجہانی جامع مسجد دلّی کے گیارہویں شاہی امام تھے۔ آپ کی قبر جامع مسجد دلّی کے پائینچی میں واقع ہے۔

لوح مزار پر یہ جامع مضمون موجود ہے، جو یہاں نقل کیا جارہا ہے جس سے حضرت شاہی امام صاحب کی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

اللہ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — محمد

لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

- اللہ کے ولی، عالم باعمل، معرفت الٰہی سے سرشار، اتباع سنّت کے عاشق
- کئی معرکۃ الآرار دینی کتابوں کے مصنّف!
- حضرت حق جل مجدہ کی خشیت اور خوف ہمہ وقت دل میں رکھنے والے!
- مظلومین اور ضرورت مندوں کے غمگسار اور ان کے لئے دعائیں کرنیوالے!
- بندگانِ خدا کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہنے والے!

تقریباً ۶۵ سال امامت کے منصب عظیم پر فائز رہ کر ۵ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۷۶ء جمعہ کے روز پونے دو بجے دوپہر بحالتِ نماز اپنے کریم مولیٰ کے حضور میں واصل ہونے والے!

جامع مسجد دلّی کے گیارہویں شاہی امام

امام السلطان حضرت مولانا سید حمید بخاری نوراللہ مرقدہٗ یہاں رحمتِ الٰہی

کی آغوش میں آرام فرما ہیں۔
تاریخ پیدائش ۱۳؍ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء یوم چہار شنبہ
یہ کتبہ حضرت کے خلف اکبر سید عبداللہ بخاری شاہی امام جامع مسجد دلی نے
جنوری ۱۹۷۷ء میں مزار مبارک پر نصب کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت محتاج تعارف و تعریف نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ ایک اچھے عالم تھے، ادیب تھے، انشاء پرداز تھے، شاعر تھے، صحافی تھے اور سیاست دان تھے۔

مولانا آزاد کی ولادت باسعادت ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا خیر الدینؒ اپنے عہد کے مشہور پیر اور صوفی تھے لیکن مولانا آزاد کا مزاج و مذاق خالص علمی و فکری تھا۔ چنانچہ وہ خاندانی روایات کی پاسداری نہیں کرسکے اور اپنی جدت پسند طبیعت اور عالمانہ مذاق کی بنا پر اپنے تصوفانہ و پیرانہ زندگی سے الگ تھلگ ہو کر قرآن و حدیث کی خدمت کو اپنا نصب العین بنایا اور اسی کی روشنی میں وطن و قوم کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا اخلاقی و شرعی فرض تصور فرمایا اور تحریکِ استخلاص وطن میں سرفروشانہ و مجاہدانہ حصہ لیا اور قید فرنگ کی روحانی و جسمانی اذیتیں برداشت کیں۔ اور جب آپ لیلائے آزادی سے ہم آغوش ہو گئے تو آزاد ہندوستان کی تعمیر نو اور استحکام میں ہمہ تن مشغول و مصروف ہو گئے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ ۱۹۴۷ء سے پہلے کی مسلم قیادت کے سپہ سالار تھے۔ لہٰذا جب ۴۷ء کے ہنگاموں سے ملت اسلامیہ دہشت زدہ ہو کر مایوس ہونے لگی تو مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جمانے اور ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو سہارا دینے کے لئے پھر میدانِ عمل میں کود پڑے اور رات دن ایک کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور ترک وطن سے روکا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ملک میں مسلمانوں اور ان کے مذہب کو قومی تحفظ دلایا اور آخر کار بڑھاپے میں اس انتھک دماغی وجسمانی جدوجہد نے نہ تھکنے والے مجاہد کو تھکا دیا۔ اور ریل یا جیل کے دائروں میں رات دن بے تکان دوڑنے والا مجاہد جلیل بستر علالت پر دراز ہوگیا اور فروری ۱۹۵۸ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب "الواح الصنادید" کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"جس روز مولانا آزاد کا انتقال ہوا تھا، میں ان کے در دولت پر موجود تھا۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو بھی تشریف فرما تھے اور گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ مفسر قرآن مولانا آزاد کو کہاں دفن کیا جائے، میں نے عرض کیا مولانا جید عالم اور عظیم المرتبت تھے۔ ان کو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ محدثین کے قبرستان مہندیان میں دفن کرنا چاہیے، پنڈت جی نے کہا وہ ہندوستان کے بڑے ممتاز لیڈر تھے، ان کو جامع مسجد شاہجہانی کے قریب جو مرجع خلائق ہے دفن کرنا چاہیے۔ بالآخر پنڈت جی ہی کی رائے پر عمل کیا گیا۔" (الواح الصنادید ص ۱۹)

لوح تربت پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

محی الدین احمد

مولانا ابوالکلام آزاد

پیدائش	وفات
ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ	۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء یوم شنبہ
نومبر ۱۸۸۸ء	

مولانا شوکت علی

مولانا شوکت علی کی ولادت ۱۸۷۲ء میں شہر رامپور میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام عبدالعلیؒ تھا، جو شہر رامپور کے شیوخ کے ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ آبادی بانو بیگم جو آگے چل کر میدان سیاست میں بی اماں کے نام سے مشہور ہوئیں اور اس وقت مسلمانانِ ہند جلسے جلوسوں میں یہ نعرہ لگاتے پھرتے تھے۔

بولی اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
تم تو جاتے ہو دو دو برس کو
بوڑھی اماں کا غم نہ کرنا
کلمہ پڑھ پڑھ کے پھانسی پہ چڑھنا
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

مولانا شوکت علی مرحوم نے ۱۸۹۵ء میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڈھ سے بی۔ اے کیا تھا اور حکومت اتر پردیش کے محکمۂ افیون میں ایک اہم عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔ دورانِ ملازمت اتر پردیش کے مختلف اضلاع میں منتقل ہوتے رہے ایک مرتبہ بنارس میں ان کا تبادلہ ہو گیا۔ موصوف ایک اچھے مزاحیہ شاعر بھی تھے کہنے لگے۔

مشورے ہو رہے ہیں آپس میں
بھیجتے ہیں ہمیں بنارس میں

مولانا شوکت علی مرحوم اور مولانا محمد علی جوہر جنھیں دنیا " علی برادران" سے جانتی پہچانتی ہے۔ یہ دونوں بھائی آزادی وطن کے متوالے اور تحریک خلافت کے روح رواں بلکہ بانی مبانی تھے۔ اور بڑے ہنگامہ خیز لیڈر تھے۔

علی برادران میں عجیب و غریب ذہنی و فکری یگانگت اور یکسانیت تھی، جس موقف اور نظریے کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم اختیار فرماتے اسی موقف اور نظریے کو مولانا شوکت علی گوہر بھی اپناتے اور اسی پر جمے رہتے۔ مولانا شوکت علی بڑے حوصلہ و ہمت والے آدمی تھے۔ مولانا آزاد مرحوم مولانا شوکت علی مرحوم کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

" ملک میں کسی قومی تحریک کا کوئی قلعہ تیار کرنا ہو تو انھیں اور ظفر علی خاں کو چھوڑ دو۔ یہ دونوں برسوں کا کام ہفتوں میں کر دیں گے لیکن جب قلعہ بن جائے تو ان دونوں کو کان پکڑ کر باہر نکال دو۔ یقین ہے کہ یہ اسے ڈھا دیں گے۔"

(چہرے ص۵۰)

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انتقال کے بعد دونوں بھائیوں میں بعد المشرقین واقع ہو گئی۔ مولانا محمد علی جوہر بیت المقدس کے اندر محو راحت ہیں اور مولانا شوکت علی گوہر شاہجہانی جامع مسجد دلی کے زیر سایہ خوابیدہ ہیں۔

مولانا شوکت علی مرحوم کا مزار مسجد مینا بازار کے اندر واقع ہے۔ مسجد کے اندر صرف مولانا شوکت علی مرحوم کی قبر ہے اور آپ ہی کی طرف نسبت کر کے اس مسجد کو مولانا شوکت علی کی مسجد کہا جاتا ہے۔

قبر پر کتبہ نصب ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

یا حیی و یا قیوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل نفس ذائقۃ الموت

فاتحہ مرقد ویران پہ بھی پڑھتے جائیں ان سے کہدو جو ہیں اس راہ سے گزرنیوالے

مرقد پاک

خادم کعبہ ضیغم السلام

حضرت مولانا شوکت علی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وصال

۱۸ر نومبر ۱۹۳۸ء

(بمقام دہلی)

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی ولادت باسعادت ۱۸۹۲ء میں صوبہ پنجاب کے مشہور قصبہ لدھیانہ میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا محمد زکریا مرحوم جید عالم دین تھے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند اور فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حافظ محمد احمدؒ اور علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے آپ کے بڑے گہرے تعلقات و روابط تھے، جو تاحیات قائم رہے اور آخر الذکر تو آپ کے استاذ مشفق اور مربی جلیل تھے۔ آپ کی شخصیت پر علامہ کشمیری کا بڑا گہرا رنگ تھا۔ چنانچہ خود مولانا لدھیانوی فرماتے ہیں کہ:

"مجھے قرآن فہمی کا ذوق حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں حاصل ہوا"

(رئیس الاحرار در حدیث دیگران ص۱۸۳)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جنگ آزادی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے رفیق خاص اور مجلس الاحرار کے قائد و روح رواں تھے اور آپ نے آزادی وطن میں ہمیشہ سرفروشانہ و قائدانہ رول ادا کیا اور وطن عزیز کی آزادی کی خاطر بڑی بڑی اذیتیں و مصیبتیں اور قید و بند کی صعوبتیں و تکلیفیں جھیلیں ہیں۔ آپ کی بے پناہ قربانیوں اور سرفروشانہ مجاہدوں کی بنا پر آپ کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں اور قائدوں میں ہوتا تھا۔ آپ حصول آزادی وطن کے بعد بھی وطن عزیز کی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لیتے رہے اور ہمیشہ دشمنان وطن سے نبرد آزما رہے۔ وہ سچے معنوں میں محب الوطن

اور نیشنلسٹ مسلمان تھے۔ آپ آخری سانس تک دشمنانِ اسلام و دشمنانِ وطن کے مقابلے میں مردانہ وار ڈٹے رہے اور آخر کار ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ آپ کا مزار شاہجہانی مسجد کے نیچے باغیچی میں واقع ہے۔

آفتاب حریت وائے قسمت شد غروب ہر کہ و مہ از غمش مبتلائے آہ گشت

فکر کردم سال دار نہ سر فروش آمد ندا سال رحلت ارتحال خلیل اللہ گشت

۱۳۷۶ھ

حضرت مرحوم نے دنیا کو پایا بے وفا چل دیئے خالق سے ملنے کیلئے وہ باکمال

تھے وہ بطل حریت اور قوم پر قربان تھے تھے سلف کی طرح وہ بھی ایک فرد بے مثال

سال چاہو چار کا ماتم کرو تم چار سو

محرم دانا مرنجان شیر دل گردوں جلال

۳۴۴ ۳۴۴ ۳۴۴ ۳۴۴

مصرع تاریخ کے چاروں لفظوں کے اعداد جمع کر دیں تو مرحوم کا سال وفات برآمد ہوتا ہے اور چونکہ ہر لفظ کے اعداد مساوی ہیں لہذا ہر ایک کو ۴ پر ضرب دیں تو بھی یہی سال برآمد ہوتا ہے۔ ایک مصرع میں اور پانچ تاریخیں مرحوم کا روحانی تصرف نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ کی لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے ان ہی کی خاک میں پوشیدہ وہ چنگاری

قائد احرار

کل من علیہا فان

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی پیدائش ۱۸۹۶ء

وفات ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء

جنرل شاہنواز

جنرل شاہنواز خاں کی ولادت ۲۴ جنوری ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ وہ اضلاع راولپنڈی پاکستان کے رہنے والے تھے۔

جنرل شاہنواز خاں برطانوی فوج میں بھرتی ہوئے مگر کچھ ہی عرصہ بعد دوسری جنگ عظیم میں آپ جاپان کے فوج کے ہاتھوں قید ہو گئے۔ اسی عرصہ میں آپ کی ملاقات نیتاجی سبھاش چندر بوس سے ہوئی۔ نیتاجی نے آزاد فوج تیار کی تاکہ انگریزوں سے ہندوستان خالی کرایا جائے۔ نیتاجی نے شاہ نواز خان کو ایک فوجی ڈویژن کی کمان کے لئے چنا اور انھیں یہ فوج دے کر برما کی جانب سے ہندوستان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور جب جنگ ختم ہوئی تو انگریزوں نے لال قلعہ میں جنرل سہگل جنرل ڈھلون اور جنرل شاہنواز خاں پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا۔ مقدمہ کی پیروی بیرسٹر آصف علی، جواہر لال نہرو اور بھولا بھائی ڈیسائی نے کی اور یہ مجاہدین آزادی باعزت بری ہو گئے۔ جنرل شاہنواز آزادی وطن کے مجاہد جلیل تھے۔ آزادئ وطن کے بعد ملک کی جو ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی آپ نے اس کو بڑے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ بہت عمدہ طریق پر نبھایا۔ آپ خاندانی حیثیت سے ایک متمول اور صاحب ثروت شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب کیرکٹر اور دیانتدار انسان تھے۔ آپ دو مرتبہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے اور دونوں دفعہ حکومت ہند کے وزیر بھی رہے۔ آپ نے کبھی بھی عہدہ اور اقتدار کو حصول زر، ذریعہ نہیں بنایا اور اسی بنا پر ہر محاذ پر جرأت و ہمت کے ساتھ بے لاگ خدمات

انجام دیں جو رہتی دنیا تک آپ کے نام کو روشن رکھے گی اور اسی طرح ملک و قوم کی خدمت کرتے ہوئے ۱۹۸۳ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا انتقال دہلی میں ہوا۔ آپ کا مزار مولانا آزاد کے مزار کے نیچے اتر کی جانب مولانا آزاد گراونڈ میں واقع ہے۔ جنرل شاہنواز ایک بیش قیمت سنگ مرمر کے چبوترہ پر آرام فرما ہیں۔ اور چبوترہ کی چاروں طرف لوہے کی جالیاں ہیں۔

مولوی سمیع اللہ قاسمی

مولوی سمیع اللہ قاسمی دلّی کے مشہور عالم دین، مجاہد آزادی اور کانگریس کے پرجوش حامی تھے۔ آپ ۱۹۰۷ء میں ضلع ہردوئی کے قصبہ شاہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی نسیم اللہ مرحوم ایک سرکاری اسکول میں مدرس تھے۔

مولوی سمیع اللہ قاسمی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، علوم قرآن و حدیث کی تحصیل و تکمیل کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ خاص مولانا اسعد اللہؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور کچھ عرصے کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمن عثمانی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا حسین احمد مدنی سے احادیث کی کتابیں پڑھیں اور دار العلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد دلّی کے مشہور دینی مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ میں مدرس ہو گئے۔ پھر انھوں نے اپنا ذاتی کتب خانہ "کتب خانہ عزیزیہ" کے نام سے قائم کیا اور یہ کتب خانہ بہت جلد پورے ہندوستان کے علماء، صلحاء، زعماء، ادباء اور شعراء کا مرکز بن گیا۔

مولوی سمیع اللہ قاسمی کی پرکشش شخصیت کے ارد گرد ہر مکتب فکر کے اکابر اور اصاغر جمع ہونے لگے اور مولوی سمیع اللہ قاسمی ان متضاد عناصر اور مختلف الفکر حضرات کو بڑے سلیقے اور قرینے سے نبھاتے تھے۔

جوش ملیح آبادی سے مولوی سمیع اللہ قاسمی کے بڑے اچھے تعلقات و روابط تھے حالانکہ دونوں مختلف الفکر اور مختلف العقیدہ تھے۔ چنانچہ کنور مہندر سنگھ بیدی

تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا زاہد خشک، جوش رند سرمست، مولانا پاکباز، جوش شاہد باز، مولانا روزہ نماز کے پابند، جوش منکر خدا، مولانا غروب کے ہنگام مسجد کی جانب رجوع ہوتے، جوش میخانے کی راہ لیتے مگر اس قدر شدید عقائدی اختلاف کے باوجود دونوں میں گہری دوستی تھی۔"

(یادوں کا جشن ص ۳۰۸)

مولوی سمیع اللہ قاسمی کا انتقال ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ جامع مسجد کے شمالی دروازے کے نیچے باغیچی میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے پہلو میں دفن ہوئے، قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

هو الباقی　　　　هو الحی

مولانا محمد سمیع اللہ قاسمی نوراللہ مرقدہ

صدر مجلس احرار خدام خلق صوبہ دہلی

۶راگست ۱۹۶۹ء بروز چہار شنبہ بوقت اذان عشاء بعمر ۶۵ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون!

خواجہ محمد ناصر عندلیب

خواجہ محمد ناصر عندلیب، خواجہ میر درد کے والد سلسلۂ محمدیہ کے بانی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر اور ماہر ادیب تھے۔ خواجہ صاحب ۱۱۰۵ھ میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے معتقد تاریخ گو شاعر رائے سناتھ سنگھ بیدار نے آپ کے مادۂ تاریخ اسی حساب سے نکالا ہے ؎

در وجود آمد چوں آں دلی
شد کمالات امامت منجلی
سال تاریخ مرا الہام شد
وارث علم امامین و علی

۱۱۰۵ھ

آپ کے والد کا نام نواب ظفر اللہ خاں تھا۔ نواب ظفر اللہ خاں نہ صرف یہ کہ صاحب فوج وحشم نواب تھے بلکہ صاحب نسبت ولی اور جید عالم بھی تھے۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب درویش اور صوفی تھے۔ ان پر دلّی کے مشہور روحانی مصلح اور شاعر شاہ سعد اللہ گلشن کا گہرا اثر تھا۔ خواجہ عندلیب نے ابتدائی دور میں حضرت شاہ سعد اللہ گلشن دہلوی کی صحبت اختیار کی لیکن ان سے باقاعدہ مرید نہیں ہوئے بلکہ شاہ گلشن دہلوی ہی کی ہدایت پر خواجہ عندلیب نے حضرت خواجہ محمد زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب کی وفات ۱۱۷۲ھ بمطابق ۱۷۵۸ء میں دہلی میں ہوئی۔

آپ کی آخری آرام گاہ بستی خواجہ میر درد میں ہے۔ آپ اپنے عالی مقام صاحبزگان کے ساتھ ایک خوبصورت چبوترہ پر آرام فرماہیں۔ خواجہ صاحب کے چبوترے کے قریب ہی ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ یہ مسجد تو بہت ہی قدیم ہے لیکن حال میں کافی توسیع کی گئی ہے۔ مسجد کی پیشانی پر یہ کندہ ہے۔

۷۸۶

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مسجد

بستی خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۳۳ھ بمطابق ۱۷۱۳ء

خواجہ محمد ناصر عندلیب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر یہ کندہ ہے۔

امیر المحمدیئن

خواجہ محمد ناصر عندلیب

والد ماجد خواجہ میر درد

مصنف	نالۂ عندلیب
فارسی	رسالہ ہوش افزا (قلمی)
ولادت	۲۵ر شعبان ۱۱۰۵ھ
وفات	۲ر شعبان ۱۱۷۲ھ

ڈاکٹر خواجہ ناصر الدین

سجادہ نشین

۱۹۶۴ء

خواجہ میر درد

خواجہ میر درد اردو، فارسی کے جلیل القدر صوفی شاعر اور صاحب طرز نثر نگار تھے۔
خواجہ میر درد کی پیدائش ۱۱۳۳ھ میں دارالسلطنت دہلی میں ہوئی۔ چنانچہ رائے ناتھ سنگھ بیدار نے آپ کی تاریخ پیدائش یہ کہی ہے ؎

از حضرت درد عارف یزدانی
گہوارۂ آفاق چوں شد ندرانی
بیدار نوید سال تاریخش گفت
آمد بوجود نقش بند ثانی

۱۱۳۳ھ

خواجہ میر درد کے والد کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب تھا، جو ایک صوفی منش انسان تھے۔ خواجہ میر درد بھی بڑے قلندر مزاج انسان تھے۔ آپ کی طبیعت میں بے پناہ استغنا تھا۔ آپ امرا، سلاطین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔
خواجہ میر درد کی فقیرانہ مجلس ایک ایسا در باتھی جہاں کی حاضری بادشاہ وقت بھی باعث سعادت تصور کرتے تھے۔ المختصر خواجہ خود تو استغنا اور بے نیازی میں فقید المثال تھے مگر ہر خورد وکلاں، گدا و شاہ آپ کے نیاز مند!
خود خواجہ صاحب کا مشہور شعر ہے ؎

نہیں مذکور شاہوں کا میاں کچھ اپنی محفل میں
اگر کچھ ذکر بھی آیا تو ابراہیم ابن ادھم کا

اس درویشانہ صفات کے ساتھ آپ ماہر علوم وفنون اور صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ لہذا دیوان اردو، دیوان فارسی، رسالہ اسرار الصلوۃ، نالۂ درد اور واردات درؔد جیسی اہم تصنیفات آپ کی علمی اور فنی یادگار ہیں۔

خواجہ میر درد کا انتقال ۱۱۹۹ھ میں بعمر ۶۶ سال ہوا اور اتفاق یہ ہے کہ آپ کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب کی عمر بھی چھیاسٹھ سال ہی ہوئی اور دوسرا اتفاق یہ کہ آپ کو انتقال سے کچھ عرصے پہلے منکشف بھی ہوگیا تھا کہ آپ کی عمر ۶۶ سال ہوگی، جس کا اکثر آپ انتقال سے قبل ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے ظاہر ہوتی ہے ۔

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

۱۱۹۹ھ

خواجہ میر درد کا مزار ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب کے پہلو میں بستی خواجہ میر درد میں واقع ہے۔ یہ بستی خواجہ میر درد رنجیت ہوٹل اور ڈاکٹر ذاکر حسین کالج سے متصل مغرب کی جانب واقع ہے۔

لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

هو الناصر

اول المحمدیین

خواجہ میر درد

تصنیف رسالہ اسرار الصلوۃ، واردات، علم الکتاب

فارسی نالہ درد، آہ سرد، درد دل، شمع محفل

دیوان فارسی ، دیوان اردو

ولادت ۱۹/ ذیقعدہ ۱۱۳۳ھ وفات ۲۴/ صفر ۱۱۹۹ھ

ڈاکٹر خواجہ ناصر الدین

سجادہ نشین

۱۹۶۴ء

خواجہ میر اثؔر دہلوی

خواجہ میر اثرؔ دہلویؒ اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر اور مثنوی نگار تھے۔ وہ ۱۱۴۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، مشہور تاریخ گو شاعر رائے ساتھ سنگھ بیدارؔ نے تاریخ کہی ہے ؎

چو قطب کمالات برج اقامت — فرزندۂ خانما تا قیامت
برآمد دو عالم اندگشت روشن — بماند چنیں نور یارب سلامت
ہماں شب بہ بیدار سال طلوعش — ندا آمدہ نور شمع امامت

۱۱۴۸ھ

خواجہ محمد میر نام اور اثرؔ تخلص تھا۔ آپ خواجہ میر دردؔ کے چھوٹے بھائی اور جانثار مرید تھے۔ خواجہ میر اثرؔ بڑے درویش صفت انسان تھے، علم وعمل میں یکتائے روزگار تھے، آپ اپنا زیادہ تر وقت عبادت وریاضت میں صرف کرتے تھے۔

خواجہ میر دردؔ کے انتقال کے بعد خواجہ میر اثرؔ ہی آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے اور خواجہ میر اثرؔ نے اپنے ولی صفت بھائی خواجہ میر دردؔ کی صحیح جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ نہایت ہی عالمانہ اور بزرگانہ جاہ وجلال کے ساتھ مسند خلافت پر جلوہ افروز رہے۔ اس کے علاوہ خواجہ محمد میر اثرؔ ایک جلیل القدر شاعر تھے۔ آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کبھو ہم سے بھی وفا کیجیے گا — یا یہی جور وجفا کیجیے گا
دیکھیں دشنام کہاں تک دو گے — دم میں سو بار دعا کیجیے گا
نظر آتا ہے گرہ زلف سے کھول — ہر طرف فتنہ بپا کیجیے گا
جان ودل سے بھی گزر جائیں گے ہم — اگر ایسا ہی خفا کیجیے گا

خواجہ میاں آلم

خواجہ میاں صاحب آلم کی ولادت ۱۱۷۰ھ میں دہلی میں ہوئی۔ خواجہ آلم خواجہ میر درد کے صاجبزادے تھے۔ بڑے باغ و بہار کے آدمی تھے۔ عہد جوانی میں آزاد خیال اور سیر و سیاحت کے دلدادہ تھے۔ اپنے تایا خواجہ میر اثرؔ دہلوی کے وصال کے بعد آپ کی طبیعت میں انقلاب آیا اس کے بعد درویشانہ زندگی اختیار کرلی۔

خواجہ آلم ایک اچھے شاعر تھے اور اپنے خاندان کے بزرگوں کی اولیت قائم کیے ہوئے تھے۔ آپ اپنے خواجہ میر دردؔ کے رنگ مین اشعار کہتے تھے، جن میں بڑا سوز و درد ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر چند اشعار پیش ہیں۔

تجھ سے بد قول سے قرار ہوا	مین پھروں کیوں نہ بے قرار ہوا
آہ کس مکھڑے سے دوچار ہوا	مثل آئینہ محو حیرت ہوں

کیا کہئے آلم ایک گھڑی چین نہیں

معلوم ہوا کہ جنت ہے، حد ۔ نہم

خواجہ سید حسن رسول نما

حضرت سید حسن رسول نما رحمتہ اللہ سید عثمان نار نوی کی اولاد اور کبار مشائخ میں تھے۔ آپ کا لقب "رسول نما" اس سبب سے پڑا تھا کہ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسا تقرب حاصل تھا کہ آپ جس کو چاہتے حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف کرا دیتے تھے۔

حضرت رسول نما بڑے متوکل اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ آپ نے ۱۱۰۳ھ میں بعہد عالمگیری رحلت فرمائی اور پنچکوئیاں روڈ پر واقع اپنے مدرسہ کے صحن میں دفن ہوئے اب وہ جگہ آپ ہی کے نام پر درگاہ حضرت سید رسول نما سے مشہور ہے۔

حضرت رسول نما کے مزار کے برابر آپ کے عالی مقام صاحبزادے سید ہاشم متوفی ۱۱۳۳ھ کا بھی مزار ہے۔ حضرت سید ہاشم اویسی المشرب اور والد صاحب کے طریقہ پر کاربند تھے۔ آپ کے سرہانے کے پتھر پر یہ کندہ ہے۔

بسا ، تما ا ا سوا ، ا ، قا ، شد

حکیم عبدالمجید

حکیم عبدالمجید خاں حکیم محمود خاں کے صاحبزادے تھے۔ حکیم عبدالمجید خاں نے اپنے نامور والد کے مطب کی شہرت و عزت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اپنی دوربینی سے انھوں نے طب یونانی کی ترقی و استحکام اور خدمت خلق کے لئے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

حکیم عبدالمجید خاں ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ درگاہ سید حسن رسول نما میں مدفون ہوئے۔ کتبۂ قبر پر یہ تاریخ وفات درج تھی لیکن اب قبر بے نشان ہوگئی ہے۔ درج ذیل عبارت سید یوسف بخاری کی کتاب "یہ دلی ہے" سے نقل کی گئی ہے۔ حکیم صاحب کے قبر کے ارد گرد لوگ آباد ہوگئے ہیں۔

مرقد پاکیزہ حاذق الملک

۱۳۱۹ھ م ۱۹۰۱ء

حکیم محمد اجمل خاں

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں مرحوم ایک بے مثل طبیب، مخلص مجاہد آزادی، انڈین نیشنل کانگریس کے صدر، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے خاص رفیق، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے روح رواں اور درجنوں قومی و ملی اداروں کے سرپرست اور نگران تھے۔

حافظ حکیم محمد اجمل خان کی پیدائش ۱۱ فروری ۱۸۶۸ء میں دلی کے مشہور شریفی خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد حکیم محمود خاں مرحوم اپنے عہد کے نامی گرامی حاذق طبیب تھے۔ خود حکیم محمد اجمل خاں مرحوم بھی اپنے باکمال والد کی طرح ماہر فن اور تجربہ کار طبیب تھے۔ فن طب سے آپ کو فطری و جذباتی لگاؤ تھا۔ آپ کا اصل خطاب مسیح الملک تھا مگر انگریزوں نے آپ کو حاذق الملک کا خطاب دیا جس کو حکیم صاحب نے واپس کر دیا تھا کیونکہ آپ کو کوئی بھی سرکاری خطاب پسند نہ تھا تو انگریزوں کے دیئے ہوئے خطاب کو آپ کس طرح پسند کر سکتے تھے۔

حکیم محمد اجمل خاں اردو، فارسی اور عربی زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔ ان تینوں زبانوں میں نہایت بے تکلفی سے بولتے اور لکھتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا اور آپ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کا دیوان پاکستان میں شائع ہو چکا ہے۔ کاش! کوئی اللہ کا بندہ آزاد ہندوستان میں بھی اس کو طبع کرا دیتا۔

حکیم محمد اجمل خاں مرحوم تعمیری ذہن و دماغ کے بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی زندگی ملک و ملت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ آپ ہمیشہ جنگ آزادی میں پیش پیش رہے اور اس کے علاوہ طب یونانی کی ترقی و فلاح کے لئے آپ نے طبیہ کالج اور ہندوستانی

دواخانہ قائم فرمایا اور فضلائے مدارس اسلامیہ کو علوم عصریہ کی تعلیم کے لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام میں بھرپور تعاون دیا اور آج تک یہ تینوں ادارے آپ کی یاد کو ملک و قوم میں زندہ کئے ہوئے ہیں۔

حکیم محمد اجمل خان شیدا نے ۲۸ر۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء کو بعمر ۶۲ سال دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ آپ درگاہ حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ پنچکوئیاں روڈ، نئی دہلی میں آرام فرما ہیں۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے آمین۔

لوح مزار پر یہ کندہ ہے۔

مسیح الملک

حکیم محمد اجمل خاں دہلوی

تاریخ وفات ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء

حضرت میرزا مظہر جان جاناں

مرزا مظہر جانِ جاناں کی ولادت ۱۱ر رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام میرزا جان تھا۔ میرزا جان متعدد علوم و فنون میں یگانۂ روزگار تھے اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دورِ اقتدار میں عہدۂ قضاۃ پر مامور تھے۔

سلطنت مغلیہ کا دستور تھا کہ جب امراء و وزراء کے یہاں کوئی اولاد ہوتی تو شہنشاہِ وقت کو زحمت دی جاتی تھی کہ وہ نومولود کا نام تجویز فرمائیں یا پیش کردہ ناموں میں سے کوئی نام منتخب کریں۔ چنانچہ میرزا مظہر جان جاناں دنیائے آب و گل میں آئے تو حسبِ روایت شہنشاہِ وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ کو خبر بھیجی گئی کہ شہنشاہ خود نومولود کا نام تجویز فرمائیں۔ چنانچہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے فرمایا کہ چونکہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے اور نومولود کے والد کا نام میرزا جان ہے اس لئے بچہ کا نام جانِ جان رکھا جائے۔ پھر لوگوں نے جان جاناں بنا دیا، یہ تغیر خود میرزا جان کے عہد میں رونما ہو گیا تھا اور مرزا مظہر جان جاناں بھی اس اضافہ سے مطمئن تھے لہذا اپنے مکاتیب میں جان جاناں ہی لکھا کرتے تھے اور مظہر آپ کا تخلص تھا۔

حضرت مظہر جان جاناں اپنے عہد کے بلند پایہ شعراء اور ادباء میں تھے۔ انھوں نے عہدِ شباب میں ہی شعر و شاعری کا آغاز فرما دیا تھا۔ آپ اگرچہ تارک الدنیا اور درویش صفت انسان تھے اور اپنے زمانے کے بہت بڑے شیخ طریقت تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذوقِ عرفان کے ساتھ ساتھ ذوقِ سخن سے بھی نوازا تھا۔ آپ بابِ طریقت کی طرح بابِ شعر و سخن میں اپنے معاصر شعراء میں بھی بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اگر یکطرف

آپ کا شمار فارسی کے بلند پایہ شعراء میں ہوتا ہے تو دوسری جانب آپ اردو کے بھی قادرالکلام شاعر تھے۔ بلکہ اردو زبان و ادب کے بھی معماروں اور محسنوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اور اردو زبان پر بھی آپ کا احسان عظیم ہے۔ نمونہ کے طور پر اردو کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

چلی سب گل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا — نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا — اس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
جب چلا توں نہ چلا ترے داماں پر روز — ہاتھ ناچار مکدر ہو کر گریباں کو چلا
گل کو جو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں — دُر کو جو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
مجھ پر ہوا ہے تنگ بحن عرصۂ سخن — بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

حضرت میرزا مظہر جان جاناں اگرچہ ایک گوشہ نشیں درویش تھے مگر دین حق کے لئے مرد مجاہد تھے اور ہمیشہ سر بکف رہتے تھے۔ ایک ناعاقبت اندیش نے ۱۱۹۵ھ اسی جرم میں گولی مار کر شہید کر دیا اور آپ نے زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کی سپرد کر دی ۔

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر
فی الحقیقت گھر گیا مظہر

مرزا محمد رفیع سودا نے آپ کی شہادت پر یہ قطعۂ تاریخ موزوں فرمایا ہے۔

مرزا کا ہوا قاتل ایک مرتد شوم — اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ از روئے درد یہ سن کے کہی — سودا نے کہ ہائے جان جاناں مظلوم

۱۱۹۵ھ

میرزا مظہر جان جاناں کی آخری آرام گاہ ۔ درگاہ ابوالخیر چتلی قبر میں ہے۔
میرزا جان جاناں نے اپنے ایک الہامی شعر میں اپنی شہادت کی پیشین گوئی کی تھی جو آپ کے مزار پر آویزاں ہے

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

مزار حضرت مرزا مظہر جانجاناں
مظہر شہید قدس سرہ
۱۱۹۵ھ تاریخ دہم محرم

حضرت شاہ غلام علی

شیخ المشائخ شاہ عبداللہ عرف غلام علی صوبہ پنجاب کے مشہور قصبہ پٹیالہ میں ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد شاہ عبداللطیف اپنے دور کے بلند پایہ زاہد، عابد اور مرتاض تھے اور جنگلوں اور صحراؤں میں بیٹھ کر ذکر جہری کیا کرتے تھے اور جنگلی پھولوں اور پھلوں کو کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت شاہ غلام علی سترہ برس کی عمر تک اپنے وطن میں رہے اس کے بعد ۱۱۷۴ھ میں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو دار السلطنت دہلی طلب کیا تاکہ اپنے پیر و مرشد شاہ ناصر الدین قادری کے دست حق پرست پر بیعت کرا دیں مگر اتفاق یہ کہ شاہ غلام علی ابھی راستے میں ہی تھے کہ شاہ ناصر الدین قادریؒ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے تب آپ کے والد ماجد نے اجازت و اختیار دیا کہ جس سے چاہو مرید ہو جاؤ اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ چنانچہ ۱۱۷۸ھ میں بائیس برس کی عمر میں آپ نے شیخ طریقت حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت کی اور یہ شعر پڑھا ؎

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سر زمینے بود منظور آسمانے یافتم

شاہ غلام علیؒ نے ۲۲ صفر المظفر ۱۲۴۰ھ میں بعہد اکبر شاہ ثانی انتقال فرمایا اور اپنے پیر و مرشد حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے پہلو میں دفن ہوئے۔ لوح تربت پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

مرزا حضرت شاہ عبداللہ معروف
شاہ غلام علی قدس سرہ
۱۲۴۰ تاریخ ۲۲ صفر

حضرت شاہ ابوسعید

شاہ ابوسعید دہلویؒ شیخ المشائخ حضرت غلام علی کے اجل خلفاء اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں تھے۔ بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم دین تھے۔ علم و فضل میں یگانہ اور زہد و ورع میں فخر زمانہ تھے۔

حضرت شاہ ابوسعید دہلویؒ اتباع سنّت میں منقطع النظیر تھے۔ کوئی کام خلافِ سنّت نہیں کرتے تھے اور ہر لمحہ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھتے تھے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔

چنانچہ شاہ ابوسعید دہلوی نے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ فرمایا اور عشق نبوی سے سرشار اور مست ہو کر مکہ مشرفہ اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس سے سرفراز ہوئے، حرمین شریفین سے واپسی کے دوران بہ مقام ریاست ٹونک ۱۲۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی نعش مبارک دہلی لائی گئی اور آپ اپنے پیر و مرشد کے برابر میں دفن کئے گئے۔

آپ کے مرید خاص مولوی خلیل احمد نے یہ قطعۂ تاریخ کہا ہے ؎

امام و مرشد ما شاہ بوسعید سعید — بعید فطر چوں شد واصل جناب خدا
دل شکستہ و مغموم گفت تاریخش — ستون محکم دین نبی فتادہ ز پا

آپ کی قبر پر یہ عبارت کندہ ہے۔

مرزا حضرت شاہ ابوسعید
احمدی قدس سرہ
۱۲۵۰ھ

حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی

حضرت شاہ ابوالخیر کی پیدائش ۱۲۷۲ھ ۔ ۱۸۵۶ء میں دہلی میں ہوئی۔
آپ کے والد کا نام شاہ محمد عمر تھا جو اپنے دور کے مشہور صحافی اور شاعر تھے ۔ آپ کے والد شاہ محمد عمر نے آپ کی پیدائش پر قطعۂ تاریخ کہا ہے ؎

خوب دی دنیا مبارکبادیاں جب جگر گوشہ عمر صاحب کا ہو
اور کوئی پوچھے سنِ ولادت تو "قرۃ العین" عمر صاحب کہو

۱۲۷۲ھ

حضرت شاہ ابوالخیر مجددی فاروقی نے ۴ سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کیا اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب اظہار الحق، مولانا سید حبیب الرحمٰن صاحب مہاجر اور شاہ عبدالغنی جیسے علماء مشائخ سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں۔
شاہ ابوالخیر جہاں ایک ولی کامل تھے وہاں اردو و فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ خیر تخلص تھا۔ نمونہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

زلف چہرے سے اٹھا رہے مہ کامل قاتل مرے دم سے تو ہو نظارہ ترا حاصل قاتل
نہیں آتا کبھی بھولے سے الفت کا خیال سخت پتھر سے زیادہ ہے ترا دل قاتل
دم بدم جوش جنوں اور ترقی پر ہے رنگ لائی ہے عجیب قیدِ سلاسل قاتل

کیوں نہ ہو گور مری غیرت فردوس بریں
میرا اے خیر ہے اک جور شمائل قاتل

شاہ ابوالخیر مجددی ۲۹ رجمادی الآخر ۱۳۴۱ھ میں بعمر ۶۹ سال انتقال فرما گئے اور خانقاہ شاہ غلام علی میں دفن ہوئے۔ اب یہ خانقاہ آپ ہی کے نام نامی سے منسوب ہوکر درگاہ شاہ ابوالخیر کہلاتی ہے۔

آپ کی قبر پر یہ عبارت درج ہے۔

مزار حضرت شاہ محی الدین عبداللہ

معروف شاہ ابوالخیر قدس سرہ

۱۳۴۱ھ تاریخ ۲۹ رجمادی الاخریٰ

محمد ابوالفضل فاروقی

ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی کی ولادت ۱۳ر شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو خانقاہ شاہ ابوالخیر میں ہوئی آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی اسلامی علوم وفنون کے ماہر اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت اور روحانی پیشوا بھی ہیں، آپ ہی کے دم خم سے خانقاہ آباد ہے اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔

ڈاکٹر محمد ابوالفضل ایک اچھے ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے اور نستعلیق اور نفاست پسند انسان تھے، ڈاکٹر صاحب ۷ر جولائی ۱۹۸۷ء کو اللہ کے پیارے ہو گئے اور اپنے آباء واجداد کے پہلو میں خانقاہ ابوالخیر میں دفن ہوئے، آپکی قبر پر لوح لگی ہے یہ عبارت منقوش ہے۔

لوح مزار

صاحبزادہ ڈاکٹر ابوالفضل فاروقی

سن وفات ——— مقولہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حبیب غاب عن عینی وجسمی

۱۴۰۷ھ

دوشنبہ ۷ر شوال و ۷ر جولائی ۱۹۸۷ء

داغ فرزند محبوب

۱۴۰۷ھ

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہندوستان کے جان فروش مجاہد آزادی عظیم طبیب، بلند نظر قومی قائد اور مخلص و ہمدرد انسان تھے۔

ڈاکٹر انصاری ۲۵ر دسمبر ۱۸۸۰ء میں یوسف پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالرحمن انصاری تھا۔ ڈاکٹر انصاری ممتاز قومی لیڈروں میں تھے۔ مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور شیخ الہند جیسے قائدین آپ کی عظیم کوٹھی میں ٹھہرا کرتے تھے اور کانگریس کی بہت ہی ہنگامہ خیز میٹنگیں اور فیصلہ کن نشستیں آپ ہی کی تاریخی کوٹھی دارالسلام دریا گنج میں ہوتی تھیں۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ آج یہ تاریخی کوٹھی آریہ سماجیوں کے قبضے میں ہے۔ کاش! ہماری سرکار اس کوٹھی کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ کر دیتی!

ڈاکٹر انصاری۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے مرید خاص تھے۔ آپ کے دو بھائی اور تھے (حکیم عبدالوہاب صاحب عرف حکیم نابینا، دوسرے حکیم عبدالرزاق انصاری صاحب) یہ دونوں حضرات شیخ الہند کے مشن کے آدمی تھے۔

جب انگریزوں نے ہندوستان کے سربرآوردہ قومی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا تو ڈاکٹر انصاری نے شیخ الہند کو مطلع کیا کہ اب آپ کی گرفتاری بھی یقینی ہے۔ چنانچہ

شیخ الہند نے مکہ مکرمہ کا ارادہ فرمالیا لیکن مصارف سفر نہیں تھے تب ڈاکٹر انصاری نے غیر ملکی سفر کا بندوبست کیا اور شیخ الہند حجاز روانہ ہو گئے۔

شیخ الہند کے حجاز جانے کے بعد تحریک شیخ الہند سے وابستہ لوگوں کی ہندوستان میں گرفتاری شروع ہوئی تو ڈاکٹر انصاری اور حکیم عبدالرزاق کو بھی بلایا گیا۔ پولیس نے پوچھ تاچھ کی تو سوائے مالی امداد کے اور کوئی ثبوت حکومت کے پاس نہیں تھا چنانچہ حکام نے کہا کہ شیخ الہند حکومت کے باغی ہیں اور آپ ان کی اعانت کرتے ہیں اور یہ جرم ہے! تو اس کا جواب ڈاکٹر انصاری نے یہ دیا کہ میں نے ان کو ایک مذہبی پیشوا اور مرشد ہونے کی بنا پر مالی تعاون دیا ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسا ہی سمجھتی ہے تو میں حاضر ہوں جو چاہے سزا دے۔ اس صاف گوئی اور بعض دوسری مصلحتوں کی وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

ڈاکٹر انصاری کا انتقال ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء میں مسوری سے دلی آتے ہوئے ٹرین میں ہوا۔ اور قبرستان جامعہ ملیہ اسلامیہ میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

ڈاکٹر کا مقبرہ بڑا ہی حسین ہے اور مقبرے کی چاروں طرف مشاہیر دفن ہیں۔ لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

کل من علیھا فان ویبقیٰ علیھا ربک ذوالجلال والاکرام

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

ولادت	وفات
۱۲۹۴ھ	۱۳۵۵ھ
۱۸۸۰ء	۱۹۳۹ء

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں آزادی وطن کے جانباز مجاہد، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے روح رواں صوبہ بہار کے گورنر، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے وائس چانسلر اور جمہوریۂ ہند کے صدر تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم کی ولادت ۱۸۹۷ء میں حیدرآباد دکن میں ہوئی، جہاں ان کے والد فدا حسین خاں مرحوم بہ سلسلۂ وکالت مقیم تھے لیکن وہ اصلاً قائم گنج فرخ آباد اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ایک شریف الطبع اور کریم النفس انسان تھے۔ مذہب اور مذہبی علماء سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا۔ وہ تبلیغی جماعت کی دعوتی سرگرمیوں میں بھی خاصی دلچسپی لیتے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب اردو، فارسی اور انگریزی کے بہترین ادیب اور صاحب طرز انشاپرداز تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو اپنی تعلیمی اور انتظامی ذمہ داریوں نے تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی فرصت نہیں دی ورنہ آپ کا شمار عظیم مصنفین اور مترجمین میں ہوتا۔ پھر بھی آپ متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ ان کی چند اہم تصنیفات یہ ہیں۔ (۱) مبادئ معاشیات (ترجمہ) (۲) ریاست (ترجمہ) (۳) معاشیات قومی (ترجمہ) (۴) تعلیمی خطبات (طبع زاد) (۵) یافت (ڈرامہ) (۶) ابو خاں کی بکری (بچوں کے لئے کہانیوں کا مجموعہ) اور (۷) خرگوش اور کچھوا وغیرہ۔

ذاکر صاحب کوئی شاعر نہیں تھے لیکن کبھی کبھی تفنناً شعر بھی کہہ لیتے تھے، ان کے دو شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

مانا ہجومِ درد بھی ہے جز زندگی — پر کیف زندگی نہ سہی، زندگی تو ہے
للہ اس کے ذکر سے نفرت نہ کیجئے — ذاکر شکستہ حال سہی، آدمی تو ہے

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صدر جمہوریہ کا انتقال پُر ملال ۳ر مئی ۱۹۶۹ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاریخی قبرستان کے قریب ہی ایک خاص احاطے میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کا مقبرہ بڑا خوبصورت سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ آپ کی قبر سے متصل ابھی حال ہی میں آپ کی اہلیہ محترمہ بیگم شاہجہاں صاحبہ کو دفن کیا گیا ہے۔ جن کی قبر ابھی کچی ہے۔ بیگم صاحبہ کا انتقال اکتوبر ۱۹۹۰ء میں ہوا۔ بیگم شاہجہاں صاحبہ ایک نیک سیرت، پابند صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں۔ شرعی پردے کی بے حد پابند تھیں۔ زندگی میں شاید ہی کسی نے ان کا چہرہ دیکھا ہو۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کی لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔

ذاکر حسین خان

پیدائش	وفات
۸ر فروری ۱۸۹۷ء	۳ر مئی ۱۹۶۹ء

ڈاکٹر عابد حسین

ڈاکٹر عابد حسین اردو اور انگریزی کے بلند پایہ ادیب، محقق، ڈرامہ نگار اور کامیاب مترجم تھے۔ آپ ۲۵ر جولائی ۱۸۹۲ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد سید حامد حسین ریاست بھوپال میں ملازم تھے۔

ڈاکٹر عابد حسین ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اور خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ موصوف نے آکسفورڈ اور برلن سے ۱۹۲۵ء میں ایم۔ اے اور پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اور یوروپ سے واپسی کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں فلسفہ اور اردو ادب کے پروفیسر کی حیثیت سے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے اور طلبہ جامعہ میں علمی و فکری لیاقت پیدا کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کی اور بڑی حد تک اپنی مہم میں کامیاب بھی رہے۔ آپ کے مخلص رفقاء میں پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر اعجاز الدین خان سر فہرست تھے۔ ڈاکٹر عابد حسین مرحوم کو زمانہ طالب علمی ہی سے مضمون نگاری اور انشاپردازی کا شوق تھا۔ چنانچہ بالکل آغازِ شباب ہی سے ادبی مضامین لکھنے اور ترجمے کرنے لگے تھے۔ موصوف نے جرمن ہی میں ایک ڈرامہ پردۂ غفلت لکھا جو بڑا ہی مقبول ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا شمار اردو کے چند اچھے ڈراموں میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین عقلیت پسند تھے، چنانچہ ان کی تحریروں میں فلسفیانہ گہرائی اور گیرائی ہوتی ہے ڈاکٹر عابد حسین کا انتقال ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۸ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ڈاکٹر انصاری کے قریب ہی دفن ہوئے ہیں۔

مولانا اسلم جیراجپوری

مولانا اسلم جیراجپوری اردو، فارسی اور عربی کے بلند پایہ ادیب اور علوم قرآن و حدیث کے ماہر تھے۔ مولانا اسلم جیراجپوری کی ولادت ۷ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ میں جیراجپور کے ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی۔ آپ کے والد مولوی سلامت اللہ ریاست بھوپال کے صیغہ تعلیمات کے ذمہ دار اور مہتمم تھے۔

مولانا اسلم جیراجپوری پہلے علی گڈھ کالج میں اسلامیات کے استاذ تھے۔ مگر ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں مسلم نیشنل یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی جسے بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے شہرت ہوئی تو مولانا محمد علی جوہر نے مولانا اسلم جیراجپوری کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تدریسی خدمت کی طرف متوجہ کیا چنانچہ مولانا اسلم صاحب مسلم کالج علی گڈھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تدریسی خدمت قبول کر لی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ پر بڑے بڑے نازک وقت آئے لیکن آپ انتہائی پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیشہ جامعہ کی خدمت کرتے رہے اور اس میں کبھی تزلزل نہیں آنے دیا۔

اسلم جیراجپوری ایک عرصہ تک جامعہ ملیہ کے جریدہ " ماہنامہ "جامعہ" کے مدیر بھی رہے۔ موصوف ایک بالغ نظر صحافی اور بلندپایہ مصنف تھے۔ آپ کی اہم ترین تصنیفات ہیں "تاریخ القرآن"، "حیات حافظ"، "حیات جامی"، فرائض حنفی اور "تاریخ امت" شامل ہیں۔ حضرت مولانا اسلم جیراجپوری مسلکا اہل قرآن یعنی احادیث کے منکر تھے۔ ان کے نظریات سے اتفاق مشکل ہے لیکن ان کی طبعی شرافت اور بلندی اخلاق کے اعتراف پر دنیا مجبور ہے۔ مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا مدفن جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر

پروفیسر محمد ہمایوں کبیر انگریزی کے اچھے ادیب، تحریک آزادی کے جانباز مجاہد اور مولانا آزاد کے رفیق خاص تھے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر صوبہ بنگال کے رہنے والے تھے اور بنگال ہی کے کسی کالج میں پروفیسر تھے لیکن ایک وقت آیا کہ پروفیسر ہمایوں کبیر مولانا آزاد کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور تدریسی مشغلہ ترک کر کے میدانِ سیاست میں کود پڑے اور پھر آخیر وقت تک مولانا آزاد جیسی قد آور شخصیت سے وابستہ رہے اور ایک وقت آیا کہ آپ وزارتِ تعلیم و ثقافت کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر کی شخصیت نے مولانا آزاد کی ہنگامہ خیز تصنیف "انڈیا ونس فریڈم" کے تعلق سے اور بھی زیادہ شہرت حاصل کی اور خواص کی حد سے نکل کر عوام میں بھی شہرت پائی اور آپ نے ۱۸ اگست ۱۹۶۹ء میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی جانب کوچ فرمایا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں آرام فرما ہوئے۔ غالباً آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔ راقم الحروف کو تلاش بسیار کے باوجود قبر نہیں مل سکی۔ جناب عبداللطیف اعظمی صاحب نے نشاندہی فرمائی ہے کہ پروفیسر محمد ہمایوں کبیر صاحب کی قبر احاطۂ جامعہ میں ہی ہے اور ڈاکٹر انصاری کے جوار میں ہے۔

خواجہ غلام السیدین

خواجہ غلام السیدین پانی پت کے ایک علمی و ادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۰۴ء تاریخی و مردم خیز قصبہ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد غلام الثقلین اپنے عہد کے مشہور ادیب اور محقق تھے۔

غلام السیدین پنجاب یونیورسٹی، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے تعلیم یافتہ تھے۔ موصوف ولایت سے واپسی کے بعد بڑے بڑے سرکاری عہدوں اور منصبوں پر فائز رہے اور وہ ہندوستان اور بیرونی ممالک کی بے شمار یونیورسٹیوں اور دانش گاہوں کی منتظمہ اور عاملہ کے رکن رکین تھے اور اعزازی پروفیسر اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے برابر بیرونی ممالک کے اسفار کرتے رہتے تھے۔

غلام السیدین اردو، فارسی اور انگریزی کے ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ اور وہ ان تین زبانوں کے علاوہ فرانسیسی بھی جانتے تھے۔ موصوف نے اردو نثر میں بہت ہی جاندار اور شگفتہ انداز میں بڑی اہم اور بنیادی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ جن میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ "اقبال کا تعلیمی فلسفہ" "روح تہذیب" "اصول تعلیم" "علی گڈھ کی تعلیمی تحریک" "آندھی میں چراغ" "ذہن انسانی کا ارتقاء" اور "زبان، زندگی اور تعلیم" وغیرہ ــــ غلام السیدین کا انتقال ۱۹/دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم کی قبر سے قریب ہی ہے۔

پروفیسر محمد مجیب

پروفیسر محمد مجیب اردو و انگریزی کے مایہ ناز ادیب، بلند پایہ ڈرامہ نگار، وسیع النظر مورخ اور محقق تھے۔ پروفیسر محمد مجیب ۱۹۰۲ء میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد نسیم تھا جو لکھنؤ کے مشہور و معروف وکیل اور قانون دان تھے۔

پروفیسر محمد مجیب لندن اور برلن کی یونیورسٹیوں کی ڈگری یافتہ تھے۔ بڑے ذی علم دانشور تھے۔ اسلامیات پر بھی گہری نظر تھی۔ تصوف کے موضوع پر بڑے پرمغز مقالے تحریر فرمائے ہیں جن کو دیکھ کر شبہ ہونے لگتا ہے کہ آپ بڑے پائے کے صوفی ہیں۔

پروفیسر محمد مجیب ڈاکٹر ذاکر حسین خان کے دست راست اور شیخ الجامعہ ــــــ تھے۔ انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لئے بڑی بھاری قربانی دی تھی۔ یوروپ سے واپسی کے بعد بڑے بڑے منصب پر فائز ہو سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے جامعہ کی خاطر بڑے سے بڑے منصب اور مشاہرہ کو ٹھکرا دیا اور معمولی مشاہرہ پر تا زندگی جامعہ کی خدمت کرتے رہے۔

پروفیسر محمد مجیب سیاسی اعتبار سے ایک نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمان تھے۔ اور میدان سیاست میں گاندھی جی سے متاثر تھے۔ پروفیسر محمد مجیب صاحبِ قلم اور صاحبِ طرز مصنف بھی تھے۔ آپ کے قلم فیض سے بہت سی مفید کتابیں منصۂ شہود پر آئیں۔

پروفیسر محمد مجیب ــــ میں دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور جامعہ کے مخصوص قبرستان میں مدفون ہوئے اور آپ کے پہلو میں آپ کی رفیقۂ حیات آصفہ مجیب صاحبہ بھی آرام فرما ہیں۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب کی اہلیہ بہت ہی زیادہ پابند صوم وصلوٰۃ اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ پروفیسر محمد مجیب کی قبر پر کوئی کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔

شفیق الرحمن قدوائی

شفیق الرحمن قدوائی اتر پردیش کے ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔
وہ مورخہ ۳ ر دسمبر ۱۹۰۱ء کو مشہور مردم خیز ضلع بارہ بنکی میں بڑا گاؤں میں پیدا ہوئے۔
آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا حسن الرحمٰن قدوائی تھا۔ مولانا حسن الرحمٰن
قدوائی صاحب کا شمار مشاہیر علمائے دار العلوم دیوبند میں ہوتا ہے۔
شفیق الرحمن قدوائی صاحب ایک ماہر تعلیم، تجربہ کار منتظم اور سماجی آدمی تھے۔
آپ کے صاحبزادے پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آزادی کے چند سال بعد انھیں یونیسکو کے تعلیمی مشن کے
نگراں کی حیثیت سے انڈونیشیا بھیجا گیا۔
خواجہ غلام السیدین کا کہنا ہے کہ اپنے تجربے اور انہماک کی بنا
پر پیرس میں یونیسکو کے ہیڈ کوارٹرز میں ان کی بڑی شہرت اور مقبولیت
تھی۔ کیونکہ تعلیم بالغان اور سماجی تعلیم کے میدان میں اتنا کام اس وقت تک
کسی نے نہیں کیا تھا۔" (دلی والے صفحہ ۲۴۰)

شفیق الرحمن قدوائی صاحب آزادی وطن کے جلیل القدر مجاہد تھے۔ آپ نے
استخلاص وطن کی خاطر بڑی جدوجہد کی تھی۔ کئی بار جیل بھی گئے تھے۔ آپ زمانہ طالبعلمی
ہی سے سامراجی قوتوں کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ انگریز دشمنی کے جرم میں
۱۹۲۰ء میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڈھ سے آپ کا اخراج بھی ہوا لیکن آپ
اپنے عزم و ارادہ پر قائم رہے اور تحریک آزادی میں برابر حصہ لیتے رہے۔

شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ کے معماروں اور فدائیوں میں سے تھے۔ آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تعمیر و ترقی میں پرجوش حصّہ لیا ہے اور بڑی بھاری قربانی پیش کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ جیسے مخلصین ہی کی جدوجہد کی وجہ سے آج جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شمار ملک کی عظیم یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔

شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب نیشنلسٹ مسلمان تھے۔ آپ وزیر تعلیم بھی رہے ہیں۔ آپ مسند وزارت پر متمکن ہونے کے باوجود آپ کی شرافت، مروت اور وضعداری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ آپ بڑے مقبول اور ہر دلعزیز لیڈر تھے۔ آپ کی وفات ۲؍اپریل ۱۹۵۳ء کو بعمر ۵۱ سال ہوئی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں ڈاکٹر انصاری کے قریب ہی مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر پر کتبہ نہیں لگا ہوا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کے صاحبزادے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب کتبہ نصب کراتے!

صالحہ عابد حسین

صالحہ عابد حسین صاحبہ پانی پت کے ایک علمی وادبی گھرانے کے چشم وچراغ تھیں۔
صالحہ عابد حسین ۱۸ راگست ۱۹۱۳ء میں پانی پت میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد خواجہ
غلام الثقلین اردو و فارسی کے صاحب طرز ادیب و محقق تھے۔

صالحہ عابد حسین صاحبہ ایک علمی اور ادبی گھرانے کے چشم وچراغ تھیں

۔ اگرچہ صالحہ صاحبہ کا شمار اس صدی کی عظیم ناول نگار اور افسانہ نگار خاتون میں
ہوتا ہے مگر آپ نے تحقیقی اور تنقیدی میدان میں بھی ناقابل فراموش کارنامے انجام
دیئے ہیں جن کی بنا پر وہ تاریخ کے صفحات میں ایک محقق اور نقاد کی حیثیت سے بہت
دیر تک زندہ رہیں گیں۔ ان کی بعض کتابیں خالص تحقیقی اور تنقیدی ہیں، مثلاً خواتین
کربلا انیس کے آیئنے میں۔ یادگار حالی اور جانے والوں کی یاد آتی ہے۔

صالحہ عابد حسین کے تمام ناول اور افسانے ہند و پاک میں کافی مقبول ہوتے ہیں،
جن میں "حسن اتفاق"، "عذرا"، "آتش خاموش"، "قطرے سے گہر ہونے تک"
"راہ عمل"، "یادوں کے چراغ"، "اپنی اپنی صلیب"، "الجھی ڈور" اور "گوری سوئے سیج
پر" قابل ذکر ہیں۔

آپ نے ۸ رجنوری ۱۹۸۸ء میں اس عالم رنگ وبو کی افسانوی زندگی سے عالم حقیقی
کی جانب رحلت کیں اور جامعہ کے قبرستان میں اپنے شوہر ڈاکٹر عابد حسین مرحوم کے پہلو
میں دفن ہوئیں۔

پروفیسر سجاد ظہیر

سجاد ظہیر کا شمار اردو کے ترقی پسند مصنفین میں ہوتا ہے۔ سجاد ظہیر مشہور بہ بنّے بھائی کی پیدائش ۵ نومبر ۱۹۰۵ء کو گولہ گنج لکھنو میں ہوئی، ان کے والد کا نام سر سید وزیر حسن تھا، جو اودھ کورٹ کے چیف جج تھے۔

سجاد ظہیر بیرسٹری کی تعلیم لندن میں حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کے بیرسٹر بنے اور لندن کے دوران قیام ہی ۱۹۳۵ء میں ہندوستانی ترقی پسند مصنفین کی ایک انجمن "ترقی پسند تحریک" کے نام سے قائم کی اور انجمن کے بانیوں اور موسسوں میں سجاد ظہیر کے ساتھ ڈاکٹر جیوتی گھوش، ڈاکٹر ملک راج آنند، پر مود سین گپتا اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر جیسے ماہرین علم و فن شریک تھے۔ انجمن ترقی پسند کے ہمیشہ ہند د پاک کے بڑے بڑے شعراء اور ادیب وابستہ رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔

سجاد ظہیر بڑے اچھے افسانہ نگار تھے۔ ۱۹۳۱ء میں سجاد ظہیر اور ان کے مسلک و مشرب کے فنکاروں اور ادیبوں کے افسانوں کا مجموعہ "انگارے" کے نام سے شائع ہوا، جو درحقیقت چند ایسے واقعات و احساسات کا مجموعہ تھا، جو انتہائی دھماکہ خیز تھے۔ لہذا جب اس نے دہنوں کو جھنجھوڑنا شروع کیا تو حکومت پریشان ہو گئی چنانچہ "انگارے" کو یوپی کی حکومت نے ضبط کر لیا۔

"انگارے" کے علاوہ سجاد ظہیر کی تخلیقات میں "بیمار" (ڈرامہ) "لندن کی ایک رات" (ناول) "ذکر حافظ" (حافظ کی شاعری پر تحقیقی مقالہ) اور "نقوش زنداں" (پاکستان جیل سے اپنی بیوی رضیہ سجاد ظہیر کے نام لکھے ہوئے خطوط کا مجموعہ) وغیرہ شامل ہیں۔

۱۳ر ستمبر ۱۹۷۳ء کو الما آتا، روس میں سجاد ظہیر کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا، جہاں وہ ایک عالمی ادبی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ تدفین جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں ڈاکٹر انصاری کے قریب ہی ہوئی۔

لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

سجاد ظہیر

ولادت ۵ر نومبر ۱۹۰۵ء وفات ۱۳ر ستمبر ۱۹۷۳ء

رضیہ سجاد ظہیر

رضیہ سجاد ظہیر اردو کی عظیم افسانہ نگار اور سجاد ظہیر کی رفیقۂ حیات تھیں۔ رضیہ سجاد ظہیر برصغیر ہند و پاک کی خواتین افسانہ نگاروں میں ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی تھیں۔ انھوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں افسانوی دنیا میں اپنی ایک خاص جگہ پیدا کر لی تھی

رضیہ سجاد ظہیر کی ادبی تخلیقات میں "سر شام"، "کانٹے"، "سمن" اور "دوانہ مر گیا" (مشہور شاعر مجاز کی زندگی پر ایک ناول) شامل ہیں۔

رضیہ سجاد ظہیر کا انتقال ۱۹۷۹ء میں دہلی میں ہوا اور سجاد ظہیر مرحوم کے بغل میں مدفون ہوئیں ہیں۔ لوحِ تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۷۸۶

مرقد

رضیہ ظہیر

ولادت ۱۵ر فروری ۱۹۱۷ء

وفات ۱۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء

جس درجے سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے

یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں۔

پروفیسر مشیر الحق

پروفیسر مشیر الحق کی ولادت ۱۹۳۳ء میں غازی پور صوبہ اتر پردیش میں ہوئی۔ مشیر الحق صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر ندوۃ العلماء لکھنو میں داخل ہو کر عالمیت کی سند حاصل کی۔ آپ نے مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں داخلہ لیا اور جامعہ سے بی۔ اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کناڈا اور میکھگل یونیورسٹی کناڈا سے ایم اے اور پی۔ ایچ ڈی کر کے ہندوستان آگئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں ریڈر ہو گئے۔ پھر ۱۹۷۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اسلامک و عرب ایرانین اسٹڈیز کے پروفیسر ہو گئے۔

پروفیسر مشیر الحق صاحب اردو، عربی اور انگریزی کے ادیب اور اسکالر تھے۔ تصنیف و تالیف کا صاف ستھرا ذوق تھا۔ بڑی محنت و لگن کے ساتھ لکھتے تھے اور مستشرقین کی تحریروں سے متاثر تھے۔

آپ کی چند اہم تصانیف یہ ہیں۔

"ہندوستانی مسلم سیاست ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک"، "مذہب اور جدید ذہن" "امریکہ کے کالے مسلمان"، "اسلامی سماج"، "رسول اکرم اور یہود حجاز اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید"

پروفیسر مشیر الحق صاحب یکم مئی ۱۹۸۷ء میں کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو کر کشمیر چلے گئے تھے اور ۶ر مارچ ۱۹۹۰ء کو جمعہ کی نماز ادا کرتے ہوئے ان کا اغوا کیا گیا اور ۱۰ر اپریل ۱۹۹۰ء کی رات میں دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید کئے گئے اور ۱۱ر اپریل ۱۹۹۰ء کو مقتول و مظلوم پروفیسر مشیر الحق کے جسد خاکی کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا اور آپ اپنے مشفق استاد پروفیسر محمد مجیب کے ہی قریب دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر ابھی کوئی کتبہ نہیں لگا ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں

ڈاکٹر یوسف حسین خان ڈاکٹر ذاکر حسین خان کے چھوٹے بھائی اور مسلم یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر تھے۔ اور بڑے اچھے ادیب و انشاپرداز تھے۔ آپ کی تصنیفات میں فرانسیسی ادب بہت مشہور ہے۔ آپ کی قبر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خصوصی قبرستان میں ہے۔ لوحِ مزار پر یہ کندہ ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں

پیدائش ۱۲ر جنوری ۱۹۰۲ء وفات ۲۱ر فروری ۱۹۷۹ء

سید رضی الحسن چشتی

سید رضی الحسن چشتی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خازن اور کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، آپ کی قبر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خصوصی قبرستان میں ہے۔ آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

کل نفس ذائقۃ الموت

سید رضی الحسن چشتی آئی۔ اے۔ ایس

وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی

تاریخ ولادت ۱۲ر جولائی ۱۹۱۱ء

تاریخ وفات ۱۸ر نومبر ۱۹۸۹ء

بریگیڈیر محمد عثمان

بریگیڈیر محمد عثمان ہند و پاک جنگ میں بڑی بہادری اور جوانمردی کا ثبوت دیا تھا۔ آپ فاتح نوشہرہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ چونکہ آپ نے ہی کشمیر کا علاقہ نوشہرہ کو فتح کیا تھا اور کشمیر میں ہی شہید ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر انصاری سے خاندانی قرابت ہونے کی بنا پر آپ کو ڈاکٹر انصاری کے جوار میں دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر پر یہ عبارت منقوش ہے۔

بریگیڈیر محمد عثمان

قبر کی دوسری طرف یہ آیت کندہ ہے۔

یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین

میرزا نصیر اللہ بیگ

مرزا نصیر اللہ بیگ مشہور قانون دان اور الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس تھے۔ ان کی ولادت ۱۹۰۳ء میں ہوئی اور انتقال ۱۹۸۳ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خصوصی قبرستان میں مدفون ہیں۔

سعید انصاری

ڈاکٹر سعید انصاری جامعہ ملیہ اسلامیہ کے حیاتی رکن اور ٹریننگ کالج کے پرنسپل تھے اور کئی اہم کتابوں کے مصنف بھی تھے، آپ نے ہی بڑی جدوجہد کر کے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی ہے۔ آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں دفن ہوتے ہیں۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

مرقد
ڈاکٹر سعید انصاری
مقام پیدائش اعظم گڈھ
تاریخ پیدائش ۴ر جولائی ۱۹۰۴ء
تاریخ وفات ۲۶ر جنوری ۱۹۸۴ء

حامد علی خاں

حامد علی خان جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ابتدائی دور کے گریجویٹ، مکتبہ جامعہ کے منیجر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے حیاتی رکن تھے۔ آپ کی قبر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خصوصی قبرستان میں ہے۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

حامد علی خان
۱۹۶۳ - ۱۹۰۵ء
ولادت فرخ آباد
۲۳ر ستمبر ۱۹۰۵ء
وفات ۵ر دسمبر ۱۹۶۳ء
تدفین جامعہ نگر
۱۳ر دسمبر ۱۹۶۳ء

برکت علی فراق

برکت علی فراق جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قدیم طالب علم اور جامعہ کے استاذ تھے۔ ہندی زبان سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ آپ کی قبر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان

میں ہے۔آپ کی قبر پر لوح لگی ہے۔

کل نفس ذائقة الموت

دیدہ ور برکت علی فراقؔ

۱۹۷۷ء

جو ہیں راہی باغ جنان

۱۳۹۷ھ

رکن حیاتی جامعہ ملیہ اسلامیہ

ولادت ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء مطابق ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

وفات ۲۸ جنوری ۱۹۷۷ء ۷ صفر ۱۳۹۷ھ

خاں عبدالغفار خاں انبالوی

خان عبدالغفار خاں انبالوی تحریک آزادی وطن کے پرجوش مجاہد، شعلہ بیان خطیب اور صوبہ پنجاب کے ہر دلعزیز لیڈر تھے۔ اسمبلی الیکشن میں حلقہ انبالہ سے ٹکٹ دینے کے متعلق کانگریس کمیٹی میں بحث ہوئی کہ حلقہ انبالہ سے کس کو ٹکٹ دیا جائے تو بعض کانگریسی رہنماؤں نے کہا کہ اکثریتی فرقہ کے کسی آدمی یا کسی سکھ کو ٹکٹ دیا جائے۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے خان عبدالغفار خان انبالوی کا نام پیش فرمایا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ وہاں تو صرف خان عبدالغفار خان انبالوی ہی مسلم لیڈر اور مسلم ووٹر ہیں، وہ کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ مولانا آزاد مرحوم نے فرمایا پھر بھی خان عبدالغفار خان کو ہی ٹکٹ دیا جائے۔ چنانچہ خان صاحب کو ٹکٹ دیا گیا اور خان عبدالغفار خان انبالوی ہی حلقہ انبالہ سے کامیاب ہوئے۔ دراصل اس میں خان عبدالغفار خان کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کے ساتھ ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی سیاسی بصیرت اور مردم شناسی کی واضح دلیل ہے۔

آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں ہے۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔ آپ کی لوح پر آپ کے مختصر حالات درج ہیں۔

اللہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم | محمد

کل من علیہا فان

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مزار اقدس

خان عبدالغفار خان انبالوی

سابق وزیر ہریانہ و نائب صدر صوبہ پنجاب پردیش کانگریس کمیٹی

موصوف

مجاہد تحریک خلافت۔ مجاہد تحریک آزادی اور مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو کے پرانے ساتھیوں میں تھے۔

خدا غریق رحمت کرے

انا للہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

ڈاکٹر سیف الدین کچلو آزادی وطن کے سرفروش مجاہد تھے جنھیں جلیانوالا باغ امرتسر کا ہیرو کہا جاتا ہے۔ وہ جلیانوالا باغ جہاں سیکڑوں ہندوستانیوں نے اپنے سینے پر گولیاں کھائیں تھیں۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اپنی آتش بیانی اور شعلہ نوائی سے ہندوستانیوں خصوصاً پنجابیوں کے خون کو گرمایا اور انگریزوں کے خرمن امن وسکون کو بھسم کر ڈالا۔ انھوں نے آزادی کی وہ شمع جلائی جس کی روشنی میں جہاد حریت کا کارواں آزادی کی منزل تک پہنچ سکا لیکن آزادی ملی تو اس میں ڈاکٹر کچلو کو کچھ نہ ملا۔ کوئی جاہ نہ منصب، نہ کوئی عہدہ نہ عزت، کوئی سفارت یا وزارت تو کیا ملتی، کسی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت بھی حصے میں نہ آئی۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو پنجاب کانگریس کے صدر رہے اور انتہائی نازک دور میں اپنی جگہ چٹان کی طرح قائم رہے اور پارٹی کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا انتقال ۱۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء میں دہلی میں ہوا۔ اور آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں مرزا محمود بیگؒ اور خان عبد الغفار خان انبالویؒ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ اور آپ کی قبر کے کچھ فاصلے پر آپ کی اہلیہ محترمہ کی قبر ہے۔ لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو

وفات

۱۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

سید انیس الرحمٰن ایڈیٹر "نئی زندگی" الہ آباد

بہار کی سرزمین ہر دور میں مردم خیز رہی ہے اور یہاں ہر عہد میں علمار و مشائخ شعرار و ادبار اور اہل صحافت بڑی تعداد میں پیدا ہوئے جن کی ذات سے بلاامتیاز مذہب و ملت تمام باشندگانِ ملک مستفیض ہوئے اور ان کی ذات بیش بہا علمی، دینی اور سماجی جذبات کا ذریعہ بنی، ان ہی عظیم المرتبت وجلیل القدر ادیبوں اور صحافیوں میں سید انیس الرحمٰن مرحوم بھی تھے جو اپنی گرانقدر علمی وصحافتی خدمات کی وجہ سے ہندوستان کے معروف ومشہور صحافیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

سید انیس الرحمٰن ۱۹۰۸ء میں دانا پور پٹنہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام سید علیم الدین تھا۔ آپ کم وبیش چالیس برس تک اردو صحافت سے وابستہ رہے آپ کی صحافتی زندگی کی ابتدار ماہنامہ "نئی زندگی" سے ہوئی تھی، جو انھوں نے حصولِ آزادی سے قبل الہ آباد سے جاری کیا تھا۔ یہ رسالہ نظریاتی حیثیت سے کانگریس کی پالیسیوں سے وابستہ تھا اور ملک کی تقسیم کی تحریک کے خلاف ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا تھا۔

سید انیس الرحمٰن کے اداریے اور ان کی تحریر کی خوبی یہ تھی کہ وہ آسان اور عام فہم زبان میں مدلل انداز میں اپنی بات کہتے تھے، اس لئے ملک کے موقر اخبارات میں ان کی تحریریں نقل ہوتی تھیں۔ نئی زندگی کم وبیش ۱۹۵۳ء تک جاری رہا۔ ان سے وابستہ دو اور مجلے قابل ذکر ہیں۔ "جہاں نما" اردو میں

بین الاقوامی سیاسی امور کا معلوماتی ماہنامہ تھا۔ "اتحاد" ہفتہ وار اخبار تھا۔

سقوطِ حیدرآباد کے نتیجہ میں مسلمانوں کی زبردست تباہی ہوئی مسلمانوں سے محرومی اور مایوسی کا احساس دور کرنے کے لئے وہاں کا ذمہ دار طبقہ آگے بڑھا۔ اس نے ایک طرف مرکزی حکومت سے رشتہ مستحکم کیا اور دوسری طرف ایک اردو روزنامہ جاری کرنے کا پروگرام بنایا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے درخواست کی کہ کوئی اچھا بالغ نظر صحافی منتخب کریں، جو اخبار کی ذمہ داری سنبھالے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مولانا سید انیس الرحمٰن صاحب کو اس کام کے لئے حیدرآباد بھیجا۔ انھوں نے حیدرآباد جاکر روزنامہ "شعیب" کی ایڈیٹری سنبھالی اور ڈیڑھ سال تک نہایت کامیابی سے اس کو چلایا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے آخری برسوں میں مسلمانوں میں محرومی کا احساس بڑھنے لگا تھا، تو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے انھوں نے ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی سے ہفتہ وار "پرچم ہند" اور ۱۹۶۵ء میں روزنامہ "ملک و ملت" نکالا جن سے وہ اپنی آخری عمر تک وابستہ رہے۔

حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی بیان فرماتے ہیں کہ:

"سید انیس الرحمٰن مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے شدید مخالف تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کی وجہ سے اکثریتی فرقہ کے اندر فرقہ پرستی کے رجحان کو تقویت پہونچے گی اور نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو ہی نقصان پہونچے گا۔"

صحافت کے فکری اور تکنیکی دونوں پہلوؤں پر وہ گہری اور وسیع نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی سستی شہرت کے لئے اپنا قلم استعمال نہیں کیا۔ اپنی بات بے لاگ انداز سے کہتے تھے۔ ان کے مخالف بھی ان کے زورِ قلم کے معترف تھے وہ لکیر کے فقیر نہیں تھے۔ انھوں نے اردو صحافت کے نئے امکانات تلاش کئے

اور نئی روشنی کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی اس اجتہاد کی بنا پر اردو صحافت کی تاریخ میں سید انیس الرحمن بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

سید انیس الرحمن نیشنلسٹ مسلمان اور کانگریس کے پرجوش حامی تھے۔ آپ عرصہ دراز تک الہ آباد میں مقیم رہے۔ یہیں آپ کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو اور لال بہادر شاستری سے ہوئی اور ان عظیم سیاسی رہنماؤں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور لال بہادر شاستری سید انیس الرحمن مرحوم کی بڑی قدر کرتے تھے اور آپ کی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کے بڑے معترف تھے۔ آپ کثیر التعلقات بزرگ تھے۔ سید انیس الرحمن صاحب کے تعلقات و روابط مولانا ابو الکلام آزاد، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، پروفیسر محمد اجمل خان، مولانا عثمان فارقلیط، مولانا عبد الباقی ایم۔ اے۔، مولانا سید محمد میاں مرحوم، سید محمد جعفری، مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور مولانا فقیہ الدین صاحب سے بڑے گہرے اور مخلصانہ تھے۔

سید انیس الرحمن صرف ایک عظیم صحافی ہی نہیں تھے بلکہ مخلص قومی رہنما بھی تھے۔ وہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک بہار لیجسلیٹو کونسل کے رکن یعنی ایم ایل سی بھی رہے اور قومی و ملی مسائل پر بڑی جرأت کے ساتھ بولتے رہے۔ سید انیس الرحمن ۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں اپنی رہائش گاہ (گلی قاسم جان دہلی) میں انتقال فرمایا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ لیکن آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔ راقم الحروف نے آپ کے صاحبزادے عابد انیس صاحب ایڈیٹر "اخبار نوجوان" سے درخواست کی تھی کہ وہ مرحوم کی قبر پر کتبہ لگوا دیں۔ انھوں نے یقین دلایا تھا کہ جلد ہی لگ جائے گا۔ عابد صاحب ایک نوجوان باصلاحیت صحافی ہیں۔ آپ کا مجلہ اخبار نوجوان بڑا ہی معیاری اور معلوماتی ہے۔ ملک کا نوجوان طبقہ بڑے ہی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتا ہے اور اخبار نوجوان کا شمار ہندوستان کے کثیر الاشاعت جریدوں اور مجلوں میں ہوتا ہے۔

مرزا محمود بیگ

مرزا محمود بیگ ایک ماہرِ تعلیم، بلند نگاہ فلسفی اور صاحب طرز ادیب تھے۔ مرزا محمود بیگ کی پیدائش ۱۹۰۸ء میں دلی کے ایک معزز علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد مرزا شہباز بیگ ایک سرکاری ملازم اور بڑے وضعدار انسان تھے۔ اپنے آباو اجداد کی طرح مرزا محمود بیگ کی ذات میں بھی شرافت، وضعداری، رواداری اور غمگساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔
پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب جو بیگ صاحب کے دیرینہ رفیق ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

"مرزا محمود بیگ مغل تھے، وہی پاسِ وضع، وہی نگاہِ شرم، وہی صبر و تحمل، وہی انسان دوستی، وہی غمخواری، وہی فراخ دلی، وہی شگفتہ متانت، وہی بے نیازانہ خوش طبعی جو مغلیہ تہذیب کی خصوصیت ہے۔ بیگ صاحب میں بھی تھی۔" (یادنامہ ص ۵۵)

مرزا محمود بیگ دلی کالج (ذاکر حسین کالج) کے پرنسپل تھے، دلی کالج سے تو آپ کو والہانہ عشق و تعلق تھا اور اس کی محبت و عشق میں اس قدر سرشار تھے کہ اپنے سارے خاندان سے کٹ کر دلی میں تن تنہا رہنا گوارا کیا، مگر دلی کالج کو چھوڑ کر اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان جانا گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا انھوں نے دن رات ایک کر کے اس کالج کو ترقی کے بام عروج پر پہونچایا اور اس معمولی ادارہ کو دہلی کے اہم کالجوں کی صف میں شامل کر دیا۔ چنانچہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

" اہرام مصر پر ایک فرعون نے لکھا ہے ہم نے اس عمارت کو برسہا برس
میں تیار کرایا ہے تم چاہو تو اسے ایک دن میں ڈھا دو
تعمیر کا کام بڑا مشکل ہے۔ بیگ صاحب نے نئے کالج کی تعمیر میں اپنا سارا
خون جگر صرف کر دیا تھا۔ نہ لڑکے تھے نہ استاد نہ وسائل، انھوں نے
دن رات کی محنت سے اسے دہلی کے اہم کالجوں میں تبدیل کر دیا اور یہ
معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اس تعمیر کے درد سے کچھ وہی آشنا ہو سکتے
ہیں جن کو قومی کاموں سے واسطہ رہا ہے۔

(یادنامہ ص ـــــ)

مرزا محمود بیگ کا انتقال ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۵ء میں ~~ہوا~~ دلی کالج کے صحن میں حضرت مفتی
عتیق الرحمٰن عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں اپنے
والد مرزا شہناز بیگ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

لوحِ تربت پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

اللھم اغفر وارحمہ

قطعہ تاریخ وفات

آنکہ محمود باد عاقبتش — مرد خوش بخت بود و پاک سرشت
مستنیر سواد دانش و داد — ہم چوں روحانیان زچشمۂ چشت
عید اضحیٰ جو رفت وقتِ سحر — یافت مژدہ ز سیر باغ بہشت
فاتحہ خواں واز دعا یاد آر — دل بہ انفاس قدسیاں ہم است
رحمت حق بروح پاکش باد — ابر دربار چوں بدامن کشت

اشکِ غم ریختہ بہ دل ہاتف
۳۴ — ۱۳۶۱

پیدائش ۱۹۰۸ء — وفات ۱۹۷۵ء

مولانا عبدالباقی

مولانا عبدالباقی کی ولادت ۲ نومبر ۱۹۰۲ء میں کواتھ ضلع شاہ آباد بہار میں ہوئی۔ آپ کے والد مشہور و معروف آدمی تھے، جو شیر شاہ سوری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عبدالباقی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن بہار میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ہندوستان واپس آکر تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ مولانا عبدالباقی اپنے عہد کے فقید النظیر اور عدیم المثال صحافی اور صف اوّل کے مجاہد آزادی اور تجربہ کار انسان تھے۔

مولانا عبدالباقی صاحب کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ بیک وقت کئی کئی اخباروں کے اداریے لکھتے تھے، حالانکہ ان اخبارات کی پالیسیاں بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہوتی تھیں۔ مولانا مرحوم ان اخبارات کی پالیسیوں کے مطابق ایسے مدلل اداریے تحریر فرمایا کرتے تھے کہ قارئین عش عش کر کے رہ جاتے تھے۔

مولانا عبدالباقی مرحوم روزنامہ "آزاد" روزنامہ "استقلال" "پیام وطن" ہفت روزہ "کاروان ہند" "نئی دنیا" اور "آستانہ" جیسے موقر اخبارات و رسائل سے وابستہ رہے ہیں۔

مولانا عبدالباقی مرحوم اپنی تمام تر صحافتی صلاحیتوں اور قابلیت کے باوجود اپنی تلوّن مزاجی کی وجہ سے کہیں جم نہ سکے۔ چنانچہ ان کا اکثر و بیشتر زمانہ افلاس و غربت میں گزرا، بڑھاپے میں ان کے دوست و احباب نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا وہ بالکل

یوسف بے کارواں ہوکر رہ گئے تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اب نئی نسل مولانا عبدالباقی مرحوم کو یاد کر رہی ہے اور ان کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے، گو کچھ دیر سے سہی!

حال ہی میں مولانا عبدالباقی میموریل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری اسرار قریشی نے مولانا عبدالباقی میموریل سوسائٹی کے زیر اہتمام مولانا عبدالباقی کی حیات اور کارنامے پر ایک شاندار سمینار کا انعقاد کیا، جس میں ملک کے مایہ ناز دانشوروں، صحافیوں اور ادیبوں کے علاوہ گیانی ذیل سنگھ سابق صدر جمہوریہ ہند، ڈاکٹر سید ظہور قاسم وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ اور شمس الرب صدیقی جنرل منیجر ہمدرد وقف لیباریٹریز شریک ہوئے۔ راقم الحروف بھی اس سمینار میں شریک تھا۔

مولانا عبدالباقی کا انتقال ۲۳ فروری ۱۹۶۸ء میں دہلی میں ہوا۔ نماز جنازہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں دفن ہوئے۔ رہے اللہ کا نام باقی۔

آپ کی قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

کوثر چاند پوری

سید علی کوثر چاندپوری کی ولادت ۸ راگست ۱۹۰۴ء میں چاند پور ضلع بجنور یوپی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حکیم سید علی مظفر تھا، جو فن طب کے ماہر تھے۔

کوثر چاند پوری نے اردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر پر حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے آصفیہ میڈیکل کالج بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں سے علم طب کی تکمیل کرنے کے بعد بھوپال اسٹیٹ کے محکمۂ طباعت میں ملازمت کر لی اور افسر الاطبار کے اعلیٰ عہدہ سے ریٹائر ہونے کے بعد بھوپال میں اپنا مطب شروع کیا اور مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثنار میں حکیم عبدالحمید صاحب وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی کی مردم شناس نگاہ کوثر چاند پوری صاحب پر پڑی اور حکیم صاحب نے کوثر چاند پوری مرحوم کو ہمدرد نرسنگ ہوم میں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ کوثر چاند پوری صاحب حضرت حکیم عبدالحمید صاحب کی استدعا پر دہلی تشریف لائے اور ہمدرد نرسنگ ہوم سے وابستہ ہو گئے اور ۱۹۸۲ء تک بحیثیت مڈیکل آفیسر خدمات انجام دیتے رہے۔

کوثر چاند پوری صاحب فن طب میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز ادیب اور عظیم افسانہ نگار تھے۔ آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں۔

دنیا کی حور، ماہ وانجم، رات کا سورج، آوازوں کی صلیب، اطبائے عہد مغلیہ بیرم خاں ترکمان اور جہان غالب وغیرہ۔ کوثر چاند پوری کا انتقال ۱۳ رجون ۱۹۹۰ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں دفن ہوئے

قاری محب الدین احمد

امام القرار قاری محب الدین احمد ہندوستان کے مشہور و معروف قاری تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں قصبہ نارا ضلع الہ آباد میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی تھا، جو اپنے عہد کے مشہور صاحب فن قاری تھے۔

حضرت قاری محب الدین احمد نے حفظ قرآن مجید اپنے نامور والد قاری ضیاء الدین احمد صاحب کی زیر نگرانی کیا، اور تجوید و قرارت سبعہ بطریق شاطبیہ اور قرآت درہ وطیبہ کی تحصیل و تکمیل استاذ القرار حضرت مولانا قاری عبدالرحمن مکی ثم الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔

حضرت قاری محب الدین احمد صاحب رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول و مصروف ہو گئے۔ آپ مدرسہ سبحانیہ جامع مسجد الہ آباد، مدرسہ تجوید القرآن لکھنؤ اور مرکزی دار القرارت لکھنؤ میں صدر مدرس اور ذمہ دار اعلیٰ رہے۔ آپ نے ہزاروں کی تعداد میں تشنگانِ علم تجوید و قرارت کو سیراب کیا اور طلبہ کے اندر فنی ذوق و مذاق پیدا کیا۔ قاری محب الدین احمد صاحب مرحوم کے مشہور تلامذہ میں قاری محمد حسین مالیگاؤں قاری دین محمد مالیگاؤں، قاری محمد یعقوب سیتاپوری، قاری احمد ضیاء الہ آبادی اور حضرت مولانا فقیہ الدین صاحب مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی وغیرہ ہیں۔

حضرت قاری محب الدین احمد صاحب جہاں ایک مستند و معتبر فنی استاذ تھے۔ وہاں ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی چند اہم اور فنی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

"تنویر المرارت" شرح ضیاء القرآت، "معرفۃ التجوید" "تحفۃ المبتدی"، "حواشی مرضیہ" "نزہۃ القاری"، "حاشیہ ضیاء القرارت"، "ضیاء البرہان"، معرفۃ الوقوف "معرفۃ الرسوم" اور ضیاء الارشاد فی تحقیق الضاد وغیرہ۔ یہ تمام تصانیف اور رسائل فن تجوید کی ضروری اور اہم مباحث پر مشتمل ہیں اور ان کی عبارتیں آسان حشو وزوائد سے خالی اور علمی وفنی مضامین سے پُر ہوتی ہیں۔

قاری مجیب الدین احمد صاحب کی وفات یکم اگست ۱۹۸۲ء — ۱۰ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ میں دہلی میں ہوئی۔ آپ جامعہ نگر کے قبرستان میں مشہور مجاہد آزادی ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے برابر میں دفن ہوئے لیکن آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔

علامہ خضر برنی

علامہ خضر برنی اردو کے بلند پایہ شاعر، بالغ نظر صحافی اور پرجوش مقرر تھے۔ آپ کی ولادت ۱۵ر جولائی ۱۹۰۸ء میں بلند شہر اتر پردیش میں ہوئی، آپ کے والد سید محمد علی برنی محکمۂ سرکاری میں ضلعدار تھے۔

علامہ خضر برنی جمیعۃ علماء ہند کے قدیم اکابر و مجاہدین آزادی کی صحبت یافتہ اور ان بزرگوں کی خدمات اور قربانیوں کے بڑے معترف و مداح تھے۔ علامہ صاحب نے بہت سی تصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں جن میں اہم تصنیفات یہ ہیں۔ (۱) تصویر حیات (۲) تذکرہ شعرائے بلند شہر (۳) قوس قزح (۴) تصویر کائنات (۵) عصر گل (۶) عکسِ جمال (۷) حدیث عشق (۸) شمع ہدایت اور پروانے، اور (۹) یہ ہے میرا ہندوستان۔

علامہ خضر برنی کی شاعری پر مبسوط مقالہ لکھا جاسکتا ہے، لیکن افسوس اس کتاب میں بہت ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ علامہ برنی ایک عظیم المرتبت شاعر تھے۔ ان کے تمام ہی اشعار شاندار و جاندار ہوتے ہیں لیکن علامہ کا یہ شعر راقم الحروف کو بہت ہی پسند ہے ؎

بھولے بھٹکوں کی بھلا وہ کریں گے رہبری
خضر خود چکر میں ہیں اپنا بیاباں دیکھ کر

علامہ خضر برنی کا انتقال ۱۹۸۹ء میں دہلی میں ہوا۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عام قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ لوح تربت پر یہ شعر کندہ ہے ؎

زندگی ہم نے اندھیروں میں گزاری ہے خضرؔ
یہ توقع ہے کہ مرقد میں اجالا ہوگا

علامہ خضر برنی

ولادت ۱۵ر جولائی ۱۹۰۸ء

وفات ۲۸ر ۱۹۸۹ء

نواب مولوی محمد مجید اللہ خان

افضل العلماء مولوی محمد مجید اللہ خان بن مولوی سمیع اللہ خان سی ایم جی کے فرزند ارجمند اور مشہور قانون دان تھے۔ آپ علم قانون کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے بیرسٹر تھے۔ آپ حیدرآباد میں چیف جج کے عہدہ پر بھی فائز رہے اور آپ کو آپ کی صلاحیتوں اور خدمات کی بنیاد پر سر بلند جنگ بہادر کے عظیم خطاب سے بھی نوازا گیا۔

آپ نیا قبرستان دلی گیٹ میں غازی عبدالرشید شہید کی قبر کے سامنے سڑک سے تقریباً ۲۰، ۲۵ میٹر مشرق کی جانب آرام فرما ہیں، آپ کے دوسرے بھائی نواب حمید اللہ خان درگاہ خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں نواب حمید اللہ خان نیک طبع انسان تھے

بہر حال آپ کی قبر پر لوح لگی ہوئی ہے اور لوح پر یہ آیات قرانی اور یہ اشعار کندہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل یٰعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ان اللہ ھو الغفور الرحیم

قطعہ تاریخ وفات

مولوی محمد مجید اللہ صاحب بیرسٹر ریٹ لا ابن نواب سمیع اللہ خان سی ایم جی

محمد مجید اللہ ـــــ زادہ — کہ مخدوم یاراں تھے، خوش وقت یکسر

سیادت پناہ و مبارک شمائل — خلیق و کریم و حلیم و دلاور

قوانین میں استادِ حکمت عارف | معارف میں بیرسٹری کے تھے افسر
سراسر تھے آئینہ لطفِ باری | آبار کے آتے تھے سب ان میں جوہر
عناصر میں آیا تغیر یکایک | کہ آیا گہن میں یہ دنیا کا اختر
سفر کر گئے یاں سے ماہِ صفر میں | صفر کی تھی یہ تیسویں بخت برہم

امیر مجیب نے لکھا سال ہجری
محمد مجید اللہ ابرار و کوثر

۱۳ ۔ ۔ ۵۱

مولانا محمد مظہر الدین

مولانا مظہر الدین ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ آپ دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے شاگرد تھے۔ آپ ایک بہترین صحافی اور نڈر انسان تھے۔ موصوف اخبار دالامان وحدت کے مدیر و مالک تھے اور اخبار "الہلال" کلکتہ اخبار "جمہور" اخبار "مدینہ" بجنور اور ہفتہ روزہ "دستور" وغیرہ سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

۱۴ر مارچ ۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا محمد مظہر الدین کو شہید کیا گیا جس کی تفصیل لوح تربت پر موجود ہے۔ آپ کی قبر نیا قبرستان دلی گیٹ میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی قبر کے نزدیک مکان کی دوسری جانب واقع ہے۔ لوح مزار کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون

مزار مقدس

الحاج حضرت مولانا محمد مظہر الدین رحمۃ اللہ

مالک اخبار وحدت والامان دہلی

۱۴ر مارچ ۱۹۳۹ء مطابق ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۵۸ھ کو تقریباً ۱۲ بجے دن دو حملہ آوروں نے دفتر میں آکر شہید کر دیا۔ جبکہ حضرت شہید ملت مسلمانان دہلی کی تنظیم مسلم لیگ کی ترقی و آزادیٔ فلسطین کے لئے کام کر رہے تھے۔

شہادت سے ایک ماہ قبل آپ نے اعلان کیا تھا کہ میں جامع مسجد دہلی کی حرمت اور مسلمانان دہلی کی عزت کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے سے بھی دریغ

نہ کروں گا۔ شہید راہ صداقت نے اسے پورا کر دکھایا۔ شہادت سے چار گھنٹہ قبل آپ نے اپنی آخری تقریر یوم شہدائے کربلا کے سلسلہ میں افضل جہاد و اکبر جہاد کے موضوع پر عربک کالج میں کی تھی اور شہادت کے وقت شہدائے کربلا کے اس سچے عاشق کا خون بھی تذکرہ شہدائے کربلا یعنی سعادت دارالکونین آگرا اور آپ کو دونوں جہاں کی سعادت حاصل ہوگئی۔

قطعۂ تاریخ شہادت

چون محمد مظہر الدین شد شہید تیغ عشق
یافت از شاہ شہیداں در جناں جام وصال
از فضائے کربلا ہاتف ندا داد ایں ضیا
حامی ملت علیہ رحمت اللہ گفت سال

۱۳۵۸ھ

واقف مرادآبادی

سید یعقوب الحسن واقف مرادآبادی ۲۶ر اکتوبر ۱۹۰۴ء میں سنبھل میں پیدا ہوئے۔
واقف مرادآبادی ایک اچھے شاعر تھے۔ مزاحیہ شاعری میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ موصوف مغربی تہذیب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں ؎

اس ترقی کے زمانے میں بڑھیں خوش فعلیاں
لڑکے البیلے بنے ہیں لڑکیاں البیلیاں
کاش اپنے ہوش میں ہوں بس بھرے یہ نوجوان
دیکھ لیں موقع محل، گانا ہے کیسا ہیں کہاں

واقف مرادآبادی اخیر عمر میں ایک عرصہ تک کینسر کے مرض میں مبتلا رہے اور اسی مرض میں ۱۵ر ۱۶ر دسمبر کو انتقال کر گئے اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔

حاجی سید عبداللطیف

حاجی سید عبداللطیف مرحوم دلی کے مشہور و معروف علمی و دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد خاں بہادر مولوی عبدالاحد کا شمار مشاہیر علماء میں ہوتا ہے۔ مولوی عبدالاحد صاحب مکتبہ مجتبائی چوڑیوالان دلی کے مالک تھے۔

حاجی سید عبداللطیف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حاجی سید عبداللطیف مرحوم کا انتقال ۲ر صفر المظفر ۱۳۵۴ھ میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ نیا قبرستان میں آپ کے خاندان کے لئے ایک مخصوص احاطہ ہے جو احاطۂ سید حاجی عبداللطیف سے مشہور ہے اور یہ احاطہ لب سڑک واقع ہے۔ اسی احاطہ میں آپ اپنے اہل قربت کے ساتھ آرام فرما ہیں۔ لوح تربت پر تاریخ وفات اس طرح ہے۔

ھو اللطیف

حاجی سید عبداللطیف مرحوم

بتاریخ ۲ر صفر ۱۳۵۴ھ بروز دوشنبہ بعمر ۵۲ سال وفات یافت

میر ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام

میر ناصر علی کی ولادت ۱۸۴۷ء میں رائے پور میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا ابو المنصور جید عالم دین تھے۔ میر ناصر علی اردو کے مشہور صحافی اور ادیب تھے، آپ رسالہ "تیرہویں صدی" آگرہ، ادبی رسالہ "افسانہ ایام" آگرہ، اور "صلائے عام"، دہلی کے مدیر اور بانی تھے۔

میر ناصر علی صاحب کا انتقال ۱۲ر جون ۱۹۳۳ء کو دہلی میں ہوا اور اپنے والد مولانا ابو المنصور کے پہلو میں نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر مٹ گئی ہے۔

پروفیسر محمد شفیع دہلوی

پروفیسر محمد شفیع کے حالات پردۂ راز میں ہیں۔ دلی کے متعدد اہل علم حضرات سے رجوع کے باوجود آپ کے متعلق صحیح معلومات فراہم نہ ہو سکیں۔ البتہ قبر پر کتبہ نصب ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کسی کالج کے پروفیسر اور بڑے آدمی تھے۔ العلم عند اللہ

آپ کی قبر پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

۷۸۶

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مرقد

پروفیسر محمد شفیع

۸ر اگست ۱۹۳۹ء یوم سہ شنبہ

کٹڑہ بابر بیگ لال چاہ دہلی

سید محمد جعفری

سید محمد جعفری کی ولادت ۲۷ نومبر ۱۸۹۸ء میں مچھلی شہر ضلع جونپور میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نامی مولانا محمد حامد جعفری تھا۔ سید محمد جعفری نسلاً سید اور مسلکاً اہل حدیث تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب مشہور صحابی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

سید محمد جعفری نے مکتبی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ آپ کا خاندان علمی و مذہبی تھا۔ آپ نے ابتدائی علوم کی تحصیل اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ اور گورنمنٹ ہائی اسکول جونپور میں کی اور ایم۔ اے مسلم کالج علی گڈھ میں کیا۔ اور جب مجاہدین آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا محمد علی جوہر نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی تو مولانا محمد علی جوہرؒ کی تحریک پر بے شمار طلبہ نے ایم۔ اے۔ او کالج علی گڈھ سے علیحدگی اختیار کیں۔ ان ہی طلبہ میں سید محمد جعفری بھی تھے۔ چنانچہ سید محمد جعفری صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڈھ میں داخل ہو گئے۔ جامعہ ابتداءً علی گڈھ میں ہی قائم ہوا تھا۔ پھر جب جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ میں منتقل ہوا چنانچہ جعفری صاحب بھی دہلی آ گئے اور جامعہ ہی سے فراغت حاصل کی۔

سید محمد جعفری صاحب دار العلوم دیوبند میں بھی دو سال تک زیر تعلیم رہے ہیں۔ موصوف ماہر لسانیات تھے۔ اردو، فارسی، عربی اور سنسکرت میں کامل عبور رکھتے تھے۔ انھوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے سنسکرت کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔

سید محمد جعفری صاحب مشہور مجاہد آزادی، نامور صحافی اور مولانا محمد علی جوہر کے رفیق خاص تھے۔ جعفری صاحب فراغت تعلیم کے بعد ہی مولانا محمد علی جوہر کے مشہور روزنامہ

ہمدرد کے ایڈیٹر ہوئے اور ۱۹۲۶ء تک بحیثیت ایڈیٹر کام کرتے رہے اور موصوف مولانا محمد علی جوہر اور حکیم محمد اجمل خاں مرحوم کے پرائیویٹ سکریٹری بھی رہے ہیں۔

سید محمد جعفری صاحب ۱۹۲۷ء میں اپنا ذاتی روزنامہ "ملت" نکالا تھا۔ یہ روزنامہ بہت ہی مقبول ہوا اور ۱۹۴۲ء تک کوچہ چیلان سے نکلتا رہا۔ بعد میں انگریزوں نے اسے ضبط کر لیا تھا۔ سید محمد جعفری صاحب ایک اچھے سیاست داں بھی تھے۔ لہذا آپ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک دلی میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ آپ کا انتقال ۸ رجون ۱۹۷۸ء میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں۔ ہے۔ قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

مولانا مفتی فضل الرحمان فاروقی

مولانا فضل الرحمٰن فاروقی دلی کے قدیم مدرسہ حسین بخش کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین تھے۔ آپ کا انتقال ۹ رنومبر ۱۹۸۰ء میں ہوا۔ نیا قبرستان دلی گیٹ میں غازی عبدالرشیدؒ کے قریب ہی دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

کل نفس ذائقة الموت

مرقد

محدث وقت، فقیہ زمانہ حضرت الحاج الحافظ مولانا فضل الرحمان فاروقی

شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسۃ العلوم حسین بخش دہلی ومفتی جمعیۃ العلماء ہند

تاریخ سانحہ ارتحال

۳۰ ر ذوالحجہ ۱۴۰۰ یکشنبہ مطابق ۹ ر نومبر ۱۹۸۰ء

غازی عبدالرشید

غازی عبدالرشیدؒ ایک بہترین کاتب اور خطاط تھے اور روزنامہ تیج دہلی میں کتابت کرتے تھے۔ انھوں نے ہی شاتم رسول سوامی شردھانند کو قتل کیا تھا۔

مولانا آزاد اپنی سیاسی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"۲۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو دہلی میں سوامی شردھانند جی علالت کی بنا پر ڈاکٹر انصاری کے زیر علاج تھے۔ انھیں عبدالرشید نامی خوش نویس نے ریوالور سے قتل کر دیا۔

کہتے ہیں عبدالرشید ان سے اسلام اور کچھ مذہبی گفتگو کرنے ان کے گھر گیا۔ رشید نے پانی طلب کیا، دھرم سنگھ ملازم پانی لانے گیا، اتنے میں رشید نے ریوالور نکال کر سوامی جی کا کام تمام کر دیا، ملازم کے آنے پر اسے بھی زخمی کیا۔ سوامی جی کے سکریٹری دھرم پال بھی آگئے اور زخمی ملازم نے قاتل کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا، رشید نے پولیس کے پاس اقبال جرم کر لیا۔ یہ حادثہ بھی ملت کے لئے زبردست رسوائی اور صدمے کا باعث بنا۔

(مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری ص۱۸۶)

عبدالرشید کو اقبال جرم کی بنا پر ۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء کو پھانسی دی گئی اور عبدالرشید "غازی" سے مشہور ہوئے۔ مولانا آزاد آگے اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء دہلی میں آج سوامی شردھانند کے قاتل عبدالرشید کو پھانسی

دیدی گئی۔

جیل سے تقریباً پچاس ہزار کا مجمع لاش لے کر روانہ ہوا تو دہلی میں۔ اکا دکا ہلڑ بازی ہوئی۔ قتل وخونریزی کے پیش نظر پولیس نے لاش کو چھین لیا اور جیل واپس لے گئی، تب رشید کے اعزا نے بدقت تمام لاش کو واپس لے کر قریب کے قبرستان میں دفن کردیا۔

(مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری ص ۲۰۶)

غازی عبدالرشید کو نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی لوحِ قبر پر نواب سائل مرحوم کے کہے ہوئے یہ اشعار کندہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید غازی عبدالرشید شہید

ہے شہید وفا لقب جس کا

جس کا شاہد ہے سارا ہندوستان

تھا فدائی رسولِ اکرم کا

حُبِ احمدؐ میں جان کی قربان

درجہ انصار اور شہادت کا

پایا از فضل ایزد منان

شمعِ فیض ہے مزار ان کا

وقف ان کے عمل سے ہے گیہان

لوح مرقد پہ لکھ دو سائل تم

قبر عبدالرشید پاک نشان

۱۴ر نومبر ۱۹۲۷ء سنہ ۱۳۴۷ھ

لائق مبارکباد ہیں امین الدین صاحب جنھوں نے غازی صاحب مرحوم کی یاد میں مسجد کھوری بھٹیاری میں مدرسہ رشیدیہ قائم کردیا ہے۔

مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی

مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب اردو کے یگانہ روزگار مصنف اور مایہ ناز صوفی شاعر تھے ۔مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ۱۸۷۲ء میں دلی کے ایک علمی و روحانی خانوادہ میں پیدا ہوئے ۔آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی مولانا محمد حسین فقیر دہلوی تھا جو اپنے عہد کے مشہور و معروف شیخ طریقت اور روحانی پیشوا تھے ۔

مولانا محمد اسحاق نے کم عمری میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، عربی متوسطات کی تعلیم دلی میں حاصل کی اور دورہ حدیث کی تکمیل شیخ الفقہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے کی ۔سند فضیلت و فراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ حسینیہ کی بنیاد و تاسیس میں شریک رہے اور مدرسہ حسینیہ میں تیئس سال تک قرآن و حدیث کا وعظ فرماتے رہے ۔مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی صاحب ایک بہترین واعظ ہونے کے ساتھ ایک عظیم مصنف بھی تھے ۔پچاس سے زائد تصانیف آپ کی یادگار ہیں ۔یہ تمام تصانیف عوام میں بہت ہی مقبول ہیں ۔آپ کی اکثر تصانیف منظوم ہیں ۔آپ کی اہم تصانیف میں چند حسب ذیل ہیں ۔ داستانِ یوسف ،معراج رسول ، ملت ابراہیم ، جلوہ طور صبر ایوب اور بستان الاولیا وغیرہ ۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ایک مخلص اور ایماندار صحافی بھی تھے ۔ وہ ایک کثیر الاشاعت رسالہ الوعظ کے مدیر تھے ۔یہ رسالہ بڑی پابندی کے ساتھ تیس سال تک نکلتا رہا ہے ۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ ابتداءً غزلیں کہتے تھے مگر بعد میں غزل گوئی ترک کر دی تھی اور عام فہم نظمیں کہنے لگے۔

بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دل لیا جس کا اسی کے جان کے دشمن ہوئے
ساری دنیا سے نرالا آپ کا دستور ہے

یاں تو اپنے حوصلے سے بھی کیا تھا بڑھ کے کام
جان و دل لیکر وہ بولے بس یہی مقدور ہے

شیخ کی شان میں گستاخ بنوں میں توبہ
لوگ کہتے ہیں نکالے گئے بت خانہ سے

ہائے دل ترے صدقے تری باتوں کے نثار
یہ زباں ڈھونڈے نہ پائے گی نکل کر باہر

خدا حافظ مسافر کوچۂ جاناں کی منزل کے
اسی راستے سے لٹتے ہیں ہزاروں قافلے دل کے

اے رحمت اللعالمین اور اے شفیع المذنبیں
اے لخت جان آمنہ، عالم ہو تم پر فدا

احمد مصطفےٰ صل علیٰ صل علیٰ
اسحاق کہہ بے ساختہ یکتا احمد بعد از خدا

دیکھی پڑی ہیں محفلیں اسحاق سب کی لب
اونچا ذرا جو تھا وہی آنکھوں میں خار تھا

بلبلا ہے، حباب ہے دنیا
اک خیال اور خواب ہے دنیا

الفت اسحاق اس کی کھو دے گی
وہ نشے کی شراب ہے دنیا

محبت سب اسحاق چھٹ جائے گی
مگر راس آئے گی حب اللہ

مولانا محمد اسحاق صاحب کا وصال اپریل ۱۹۵۲ء میں دہلی میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ حالانکہ آپ کا پورا خاندان مہندیان میں آرام فرما ہے۔ خدا معلوم کیا وجہ پیش آئی کہ آپ گورغریباں میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے اور قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

حافظ علی بہادر خاں

حافظ علی بہادر مشہور صحافی اور مستند ادیب تھے۔ درجنوں مجلات و جرائد کے مدیر رہے ہیں۔ تاج جبلپور، مدینہ بجنور، اخبار خلافت بمبئی کی ادارت سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کی صحافی خدمات کے علاوہ بعض کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔ مثلاً محمود غزنوی، حکومت الہیہ اور پردہ اور اسلام وغیرہ۔

حافظ علی بہادر ایک بہترین شاعر بھی تھے۔ تخلص ہلال تھا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

ستم سے کھیلنے والے جفا سے کھیلنے والے
جفا تو کیا مسلماں ہیں قضا سے کھیلنے والے
وہی منزل پہ بڑھتے ہیں، وہی ساحل کو پاتے ہیں
سفینے جو ہیں گرد آب بلا سے کھیلنے والے
ہلال ان کو ملے گا لطف جینے اور مرنے کا
جہاد حق میں جو ہوں گے قضا سے کھیلنے والے

علی بہادر خان ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے ان کا خاندان مراد آباد کا رہنے والا تھا اور بڑے جوانمرد اور مجاہد آزادی تھے۔ ۶ر نومبر ۱۹۶۷ء میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے اور جسد خاکی کو نیا قبرستان دلی گیٹ میں سپرد خاک کیا گیا۔

آغا محمد طاہر دہلوی

آغا محمد طاہر دہلویؒ اردو زبان کے مشہور ادیب اور ماہر لسانیات تھے۔ طبعاً بڑے مرنجان مرنج اور مزاحیہ قسم کے انسان تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جگر مرادآبادی مرحوم دہلی تشریف لائے۔ آغا صاحب سے اردو بازار میں ملاقات ہوئی۔ آغا صاحب جگر مرادآبادی کو چائے پلانے کے لئے کسی ہوٹل میں لے گئے۔ جگر صاحب نے حسب معمول اپنی غزل سنائی، دوران گفتگو جگر صاحب نے پوچھا کہ آجکل کہاں رہائش ہے؟ آغا صاحب نے برجستہ اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھا۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا مونہہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جاکر

آغا صاحب غریب الدیار تھے اور دیش میں پردیشی تھے۔ ان کا پورا خاندان پاکستان جاچکا تھا۔ ان کے ذہن میں اپنے بے گھر ہونے کا تصور تھا۔ چنانچہ یہ شعر پڑھ کر اپنی غربت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور یہ بھی اتفاق ہے کہ مورخہ ۲۳ر جون ۱۹۵۷ء میں ارون ہسپتال میں انتقال ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ گویا اکبر الہ آبادی کے اس الہامی شعر کے مصداق تھے۔

آغا محمد طاہر دہلوی مسلکاً شیعہ تھے، لیکن سنی علماء سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا، مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلویؒ سے بڑے مخلصانہ مراسم تھے۔ واصف صاحب نے آغا صاحب پر ایک بڑا عمدہ مضمون تحریر فرمایا ہے اور یہ مضمون "دلی والے" میں موجود ہے۔

مولانا سید عبدالدائم جلالی

حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ریاست رامپور میں ہوئی، آپ کے والد کا اسم گرامی مولوی سید عبدالقیوم تھا۔

مولانا عبدالدائم جلالی ایک جید الاستعداد و کامل الفن عالم دین تھے۔ موصوف رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس ہو گئے۔ پھر اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے اور حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم کے اصرار پر مدرسہ عالیہ فتحپوری میں مدرس اور مفتی ہو گئے اور عرصہ دراز تک مسند درس و افتاء پر جلوہ افروز رہے۔

حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی جہاں ایک کامیاب مدرس تھے وہیں ایک صاحب طرز ادیب اور علوم اسلامیہ کے بلند پایہ محقق بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کا بڑا صاف ستھرا ذوق و ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مولانائے محترم صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ آپ کی سب سے اہم شاہکار تصنیف "بیان السبحان" ہے، جس کا شمار عصر حاضر کی مستند و معتبر اردو تفاسیر میں ہوتا ہے۔

آپ کے تفسیری ذوق کے متعلق مولانا محمد نظر علی خاں صاحب ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

> تقریباً ۱۸ سال قبل مسجد درگاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ میں تراویح میں ختم قرآن کی مجلس تھی حضرت مولانا زید ابوالحسن مدظلہٗ داعی تھے اور مولانا جلالی مدعو، کوئی بڑا اجتماع نہیں تھا، البتہ حاضرین پڑھے لکھے تھے۔ مولانا جلالی مرحوم نے قرآن کریم کے نزول و سببِ نزول پر نہایت جامع اور بصیرت افروز تقریر کی، کیا عرض کروں، اس تقریر کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ حضرت مولانا زید جو خود ایک متبحر عالم اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، جھوم رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ کیا تبحر علمی ہے؟ افسوس کہ ٹیپ ریکارڈر نہیں تھا کہ تقریر محفوظ کر لی جاتی۔

مولانا سید عبد الدائم جلالی کا انتقال ۵ر نومبر ۱۹۸۳ء
میں دہلی میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے، آپ کی قبر احاطہ غازی عبد الرشید
میں ہے
مولانا مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر نجم السلام صاحب جلالی اکیڈمی کے روح رواں اور ایک
اچھے ڈاکٹر اور مخلص انسان ہیں، آپ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چیزوں کو بڑے سلیقے
اور قرینے سے منظر عام پر لانے کی جد وجہد کر رہے ہیں۔

استاذ رسا دہلوی

استاذ سید رفیق احمد رسا دہلوی دلی کے قادرالکلام شاعر اور استاذ بیخود دہلوی کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کو اپنے استاذ محترم بیخود دہلوی صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ استاذ رسا دہلوی حضرت داغ دہلوی اور حضرت بیخود دہلوی کی روایات کے پاسبان اور امین تھے۔ بڑے فصیح و بلیغ شعر کہتے تھے۔ استاذ رسا کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کیوں ہوئے خانہ نشین یہ کیا کیا تم نے غضب کیا
گھر سے نکلو گرمیٔ بازار آدھی رہ گئی

طور پہ موسیٰ نے دیکھی ایک جھلک تو کیا ہوا
آدھی نکلی حسرت دیدار آدھی رہ گئی

وار کیا مجھ پہ کیا دو ہو گئے تلوار کے
دست قاتل میں رسا تلوار آدھی رہ گئی

جانشین حضرت بیخود استاذ رسا دہلوی ۸ ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو راہی ملک بقا ہو گئے اور دلی گیٹ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

مولانا محمد میاں دیوبندی

حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ بے مثال محدث، اعلیٰ درجہ کے مفسر، ماہر مفتی، بہترین مورخ اور صاحب طرز ادیب وانشاپرداز تھے۔ المختصر یہ کہ آپ بوریہ درویشی پر بیٹھنے والے سلطان علم وفضل تھے۔

مولانا محمد میاں کی ولادت ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں دیوبند میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام منظور میاں دیوبندی تھا۔ مولانا محمد میاں دیوبندی کی تعلیم از اوّل تا آخر دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ مولانائے محترم کو فراغت کے بعد اکابر نے شاہ آباد، آرہ بہار میں مدرس بنا کر بھیجدیا، جہاں آپ کے فیوض سے عوام وخواص سب ہی مستفیض ہوئے اور وہاں مولانائے محترم کی بے حد پذیرائی اور قدر دانی ہوئی۔ پھر آپ اکابر دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے بہار سے مراد آباد آگئے اور ۱۹۲۶ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں مدرس ومفتی ہوگئے اور بیس سال مسلسل جامعہ قاسمیہ میں اپنے دریائے علم سے تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔

مولانائے محترم نے ۱۹۲۹ء تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کا شمار تحریک آزادی کا عظیم رہنماؤں میں ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں مولانا مدنیؒ کے حکم اور مجاہد ملت کے اصرار پر ناظم جمعیۃ علماء ہند کی حیثیت سے دہلی منتقل ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا محمد میاں مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے لوح وقلم تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی زبان تھے اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی دل ودماغ تھے۔

مولانا محمد میاں صاحب کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے۔ وہ جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں تھے۔ حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے ۱۹۶۳ء میں جماعتی خلفشار کی بنا پر جمیعۃ علماء ہند کی نظامت سے مستعفی ہو گئے، یکسوئی اختیار فرمالی اور اس موقع کو مدرسہ امینیہ کے ذمہ داروں نے غنیمت شمار کرتے ہوئے باصرار تمام مدرسہ امینیہ کی مسند حدیث وفقہ اور منصب افتاء آپ کے سپرد کر دیا جن کو آپ نے آخر عمر تک بہت عمدہ طریق پر انجام دیتے رہے۔

مولانائے محترم اردو کے مایہ ناز مصنف تھے۔ آپ کی تصانیف متنوع الاقسام ہیں۔ علمائے حق، علمائے ہند کا شاندار ماضی (تین حصے) سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ اور صحابہ کرام کا عہد زریں وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

دینی مکاتیب کی مشہور نصابی کتابیں دینی تعلیم کے رسالے بھی آپ کی ہی تصنیف ہیں جو ہندوستان کے تمام دینی مدارس میں بے حد مقبول ہیں اور ان کا ہندی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مگر افسوس اس پر آپ کا نام درج نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف ایک ادارہ کا نام درج ہوتا ہے جو کہ خلاف دیانت بھی ہے اور مولانائے محترم کے ساتھ ظلم بھی۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب بواسیر کے مریض تھے لیکن رات میں لکھنے لکھانے شب بیداری کرنے اور مسلسل اسفار میں رہنے کی وجہ سے آرام نہ کر سکے جو اس قسم کے مریض کے لئے ضروری ہے اور بالآخر بستر علالت پر دراز ہو گئے اور ۱۹۷۵ء میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ آخر وقت میں زبان پر یہ آیت جاری تھی۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ط

حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کو نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر پر لوح نصب ہے جس پر یہ عبارت درج ہے۔

هوالباقی

کل من علیها فان یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

ابدی آرام گاہ

مفتی، محدث، اہل قلم، مجاہد حریت، مرد پاک باطن

مولانا السید محمد میاں دیوبندی قدس سرہ العزیز

شیخ الحدیث، مفتی اعظم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی

ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند و مولف کتب سیرت و تاریخ

ہو کر خفا جہاں سے محمد میاں گئے

احباب پوچھتے ہیں وہ آخر کہاں گئے

آواز آئی غوثِ محمد یہ غیب سے

مولانا کہہ بھی دو سوئے باغ جناں گئے

۱۳ ۹۵

تاریخ وفات ۱۶ر شوال المکرم ۱۳۹۵ھ ـ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

مولانا سلمان ندوی

مولانا سلمان ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ التحصیل، عربی زبان و ادب کے ماہر ادیب اور جماعت اسلامی ہند کے پندرہ روزہ عربی جریدہ "الدعوۃ" کے مدیر تھے۔

مولانا سلمان ندوی صاحب طبعاً شریف النفس انسان اور ایک نومسلم عالم دین تھے۔ آپ بارہ ۱۲ سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے اور گھر بار چھوڑ کر دربھنگہ، بہار تشریف لے گئے اور وہاں سے ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور دونوں علمی و دینی مراکز سے استفادہ کیا اور اپنی علمی تشنگی بجھائے۔

آپ کا شمار اونچے درجے کے علماء اور اردو عربی کے اچھے ادباء میں ہوتا تھا۔ اسی بنا پر آپ کو جریدہ الدعوۃ کی ادارت کے ساتھ ساتھ سہ روزہ "دعوت" کا بھی مدیر بنا دیا گیا اور آپ بڑی محنت و مشقت کے ساتھ ان دونوں عربی اور اردو پرچوں کو نکالتے رہے حالانکہ آپ کی صحت خراب ہوچکی تھی اور آپ اکثر بیمار رہتے مگر پھر بھی محنت میں کمی نہ آنے دی۔ آخرکار ۱۹۹۰ء اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

مولانا دوست محمد

حضرت مولانا دوست محمد صاحب دلی کے مشہور صاحب دل بزرگ اور دلی کے مشہور مدرسہ مدرسہ حسین بخش کے استاد حدیث و تفسیر تھے۔ مولانائے محترم اصلاً قصور پاکستان کے رہنے والے تھے لیکن آپ نے دہلی ہی کو اپنا وطن بنالیا تھا اور پاکستان تشریف نہیں لے گئے حالانکہ وہاں آپ کے اعزہ واقربا موجود تھے۔

مولانائے محترم ایک متبحر عالم دین تھے۔ پچیس سال تک شاہجہانی جامع مسجد میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرماتے رہے ہیں۔ آپ کی تفسیر بہت ہی مقبول تھی۔ عوامی تفسیر کا یہ سلسلہ تا حین حیات جاری رہا۔ اور اب مولانائے مرحوم کے علمی جانشین مولانا جمال الدین احمد صاحب ہیں، جو آجکل شاہجہانی جامع مسجد میں قرآن مجید کی تفسیر بیان فرمارہے ہیں اور آپ کی تفسیر بھی بہت ہی مقبول ہے۔

مولانا دوست محمد صاحب کا انتقال ۲۴ر مارچ ۱۹۷۴ء میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر آپ کے عقیدت مند حضرت مولانا جمال الدین احمد صاحب نے کتبہ لگادیا ہے، یہ کتبہ ملاحظہ فرمائیں۔

کل نفس ذائقۃ الموت

پیکر علم و تقویٰ مولانا دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ حسین بخش حویلی بختیاور خان نمبر ۱۰۲۳ جامع مسجد دہلی

تاریخ وفات:۔ ۲۴ر مارچ ۱۹۷۴ء مطابق ۱۹ر صفر المظفر ۱۳۹۴ھ/غم زدہ، جمال الدین احمد

مولانا رشید احمد سیتاپوری

مولانا رشید احمد سیتاری نے مدرسہ ڈھابیل گجرات سے فراغت حاصل کی، محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، فقیہ دوران مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے تلامذہ میں تھے۔ والد کا نام ابو رضا تھا جو ضلع سیتاپور یوپی کے قصبہ تمبور کے رہنے والے تھے۔ مولانا رشید احمد صاحب اوائل عمر ہی میں دہلی آ گئے۔ مختلف اخبارات میں کتابت کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے۔ آخر عمر میں مرجع خلائق ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ زبردست عالم ہی نہیں تھے بلکہ عامل کامل بھی تھے۔ قرآن کریم سے خصوصی شغف تھا، باقاعدہ پابندی کے ساتھ تلاوت کرتے تھے۔ اوراد و وظائف میں زیادہ وقت لگاتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے عربی اور اردو میں کتابچے بھی تصنیف کئے۔ شاعر بھی تھے۔ ہما تخلص فرماتے تھے۔

مولانا موصوف مسجد گلی کپتان والی تراہا بہرام خاں کوچہ چیلان میں امام تھے۔ اس مسجد میں ان کا قیام تقریباً بیس سال رہا۔ خاص طور پر یہاں یہ عرض کر دینا بے موقع نہ ہوگا کہ حضرت مولانا محمد یوسف اور موجودہ امیر تبلیغ حضرت انعام الحسن صاحب کاندھلوی یہ دونوں حضرات مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں۔

مولانا رشید احمد صاحب ۸۵ سال کی عمر میں آسودۂ رحمت ہو گئے۔ ان کے ایک معتقد خاص جناب محمد ادریس قریشی نے از راہ عقیدت و محبت ان کی قبر پر پتھر لگوایا ہے۔ لوح پر اشعار حضرت مولانا سید غیاث الحسن مظاہری صاحب مدیر ماہنامہ "دینی مدارس" دہلی کے ہیں جن سے

مولانا مرحوم کی تاریخ وفات ہی نہیں بلکہ بہت سے اوصاف، خوبیوں اور کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کی قبر نیا قبرستان دلی گیٹ میں ہے۔ لوح مزار پر یہ اشعار ہیں۔

مرقد مبارک

حضرت مولانا رشید احمد صاحب سیتاپوری رحمۃ اللہ علیہ

امام مسجد گلی کپتان والی دریا گنج نئی دہلی ۲

قطعہ تاریخ رحلت

از مولانا سید غیاث الحسن مظاہری مدیر ماہنامہ "دینی مدارس" نئی دہلی ۲

بظاہر وہ جو نظروں میں نہیں ہیں
حقیقت میں وہی اب دل نشیں ہیں

کہیں کیسے پریشان ہم نہیں ہیں
ہمارے دل کہیں نظریں کہیں ہیں

بلندی کو ملا کرتی ہے پستی
ہزاروں آسمان زیر زمین ہیں

رشید احمد وہ مہرِ راہِ عرفان
جو رہتے تھے درخشاں اب نہیں ہیں

اندھیرا ہوگیا بزم جہاں میں
سب اہل انجمن اندوہگیں ہیں

غیاثؔ اس میں نہیں دو رائے کوئی
رشید احمد ہر اک دل کے قریں ہیں

کہو تاریخ یوں وہ جلوۂ ناز
مثالِ رونقِ خلد بریں ہیں
۱۴۰۲

مولانا عبداللہ فاروقی

مولانا عبداللہ فاروقی مرحوم ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولوی معین الدین فاروقی صاحب تھا۔ مولانا فاروقی صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور یہیں پر حفظ قرآن مجید کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیا کی مشہور یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب جیسے کبار علماء سے استفادہ کیا اور دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند تحریکِ آزادی کا مرکز تھا اور علمائے دارالعلوم دیوبند تحریکِ جدوجہد آزادی میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ مولانا فاروقی بھی علمائے دارالعلوم دیوبند کی انگریزوں کے سخت ترین مخالف ہو گئے۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب تحریک آزادی ہند کے مشہور جانباز سپاہی تھے۔ مرحوم نے انڈین نیشنل کانگریس کی تحریکات میں حصہ لینے کے ساتھ قوم پرور مسلم جماعتوں میں بھی قائدانہ رول ادا کیا۔ جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار کی تحریکات میں فاروقی صاحب کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ جامع مسجد کا منبر جب قومی تحریکات کا نقیب تھا۔ اس وقت ہر جمعہ کو کسی نہ کسی قومی اور دینی مسئلہ پر جمعیتی اور احراری مقررین کے ساتھ فاروقی صاحب کی نہایت لچھے دار تقریریں سنی جاتی تھیں۔ چنانچہ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان" میں لکھتے ہیں:

"تحریکِ آزادی میں مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے بڑی قربانیاں دیں

خاتونِ مشرق کے ایڈیٹر تھے۔ جامع مسجد دہلی کا منبر مولانا فاروقی، مولوی
سمیع اللہ صاحب مالک کتب خانہ عزیزیہ، مولانا عظمت اللہ صاحب لکھنوی
کی سرگرم تقریروں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔"

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب نے تحریکِ آزادی میں سرفروشانہ اور جانبازانہ حصہ لیا اور جس کی پاداش میں لاہور، ملتان، گجرات اور دہلی کے جیلوں میں رہے اور انگریزوں کے مظالم برداشت کرتے رہے لیکن انھوں نے انگریزی اقتدار کے سامنے سرِتسلیم خم نہیں کیا۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب ایک پرجوش مقرر وخطیب اور مخلص وایماندار صحافی تھے۔ ہندوستان کے کثیر الاشاعت خاتونِ مشرق جیسا وقیع ادبی اور دینی رسالہ مرحوم کی یادگار ہے، جو مرحوم کی حیات میں بڑی آب وتاب سے نکلتا تھا اور آج بھی "خاتونِ مشرق" آپ کے صاحبزادے وجانشیں توفیق فاروقی صاحب کی ادارت میں بڑی آب وتاب کے ساتھ نکلتا ہے اور ہندوستان کے طول وعرض میں شاید ہی کوئی ایسا مسلم گھرانہ ہو جس میں نہ پڑھا جاتا ہو، توفیق فاروقی صاحب ایک بہترین صحافی اور نہایت ہی مخلص اور علم دوست آدمی ہیں۔ موصوف لائق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اپنے نامور والد کی یادگار کو زندہ رکھا ہے۔

مولانا عبداللہ فاروقی ماہنامہ "خاتونِ مشرق" کے علاوہ "محشرِ خیال"، "الفاروق" "بچوں کا باغ" اور "ندائے فلسطین" جیسے اہم ترین رسائل وجرائد کے بانی اور مدیر تھے۔ مولانا عبداللہ فاروقی صاحب نے آخر میں اخبار فلسطین میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا منتخب کلام خاص طور پر شائع کرتے تھے، آپ کے صاحبزاد توفیق فاروقی صاحب نے ان منتخب کلام ظفر کو کتابی شکل میں شائع کردیا ہے اور یہ ان کا بڑا علمی کارنامہ ہے اور عوامی حلقوں میں یہ مجموعہ مقبول بھی ہوا ہے۔ "اخبار فلسطین" ایک سیاسی اخبار تھا اور اس وقت سیاسی حلقوں میں بڑا ہی مقبول تھا۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب ایک عظیم صحافی ہی نہیں تھے بلکہ ایک بالغ نظر مصنف بھی تھے۔ آپ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب "بہادر شاہ ظفر کا افسانہ غم" ہے۔ اس کتاب میں مولانا فاروقی صاحب نے سلطنتِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر مرحوم کی معزولی اور ان کی جلاوطنی اور ان کے صاحبزادوں کی شہادت کا تذکرہ ایسے درد انگیز انداز سے کیا ہے کہ کتاب کے لفظ لفظ سے اور سطر سطر سے غم ٹپکتا ہے اور پڑھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتا ہے۔

مولانا فاروقی صاحب مرحوم کی دوسری تصنیفات و تالیفات بھی نہایت ہی اہم اور وقیع ہیں۔ مولانا عبداللہ فاروقی صاحب کثیر التعلقات عالمِ دین تھے۔ آپ کے تعلقات و مراسم ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں سے تھے۔ آپ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب، مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی سے بہت ہی قریب تھے۔

راقم الحروف نے مولانا عبداللہ فاروقی صاحب کو پہلی دفعہ مدرسہ حسین بخش میں مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کی مجلس میں دیکھا۔ مولانا فاروقی صاحب پیرانہ سالی اور غیر معمولی ضعف و نقاہت کے باوجود ہر جمعہ میں مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی کے وعظ سننے آتے تھے اور اختتامِ جلسہ کے بعد مولانا قاسمی صاحب کے ہاتھوں کو چومتے تھے۔ کبھی کبھی راقم الحروف کے ہاتھوں کو بھی چومتے تھے اور بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے اور اسی عالمِ جذب میں مرحوم کی وفات ۲۷ اپریل ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ آپ کو نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔ آپ کے صاحبزادے توفیق فاروقی صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جلد ہی قبر پر کتبہ نصب کرا دیں گے۔

مشیر جھنجھانوی

مشیر جھنجھانوی اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ موصوف اردو غزل کی کلاسیکی روایات کے دلدادہ تھے۔ تاہم وہ عصری میلانات ورجحانات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کے اشعار میں شائستگی اور شرافتِ نفس کا احساس کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ خوبصورت بندشوں اور حسین الفاظ کے ساتھ معنی آفرینی بھی ساتھ رہتی ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جب وہ مرے قریب سے ہنس کر گزر گئے
کچھ خاص دوستوں کے بھی چہرے اتر گئے

میں بھی کسی کی زلف سنوارے چلا گیا
کچھ ضد سی ہو گئی ہے نسیم سحر کے ساتھ

کانٹا سمجھ کے مجھ سے نہ دامن بچایئے
گزری ہوئی بہار کی اک یادگار ہوں

مشیر جھنجھانوی صاحب فتحپوری ہائر سینئر سیکنڈری اسکول میں استاذ تھے اور طلبہ میں بہت ہی مقبول تھے۔ مشیر جھنجھانوی صاحب ۲۱ر مارچ ۱۹۹۰ء میں انتقال فرما گئے۔ حافظ محمد لیٰسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔

سلام مچھلی شہری

سلام مچھلی شہری ۱۹۲۱ء میں مردم خیز ضلع جونپور کے مشہور مقام مچھلی شہر میں ایک علمی و دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد عبدالرزاق تھا، جو ایک دیندار تاجر تھے۔

سلام مچھلی شہری اردو زبان کے قادر الکلام شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ زمانہ طالب علمی ہی سے ایسے عمدہ اشعار و مضامین کہنے اور لکھنے لگے تھے، جن کو اخبارات و رسائل بصد شوق شائع کرتے تھے اور علمی و ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوتے تھے۔

سلام مچھلی شہری ایک بہترین صحافی بھی تھے۔ آپ رسالہ "نغمہ" فیض آباد، رسالہ "مضراب" لکھنؤ کے مدیر بھی رہے ہیں یہ رسالے آپ کی ادارت میں بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں جو اپنے علمی و ادبی قسم کے مضامین و مقالات کی بنا پر علمی حلقوں میں کافی مقبول تھے۔

سلام مچھلی شہری کی اہم تخلیقات "میرے نغمے"، "وسعتیں" اور "پائل" وغیرہ ہیں۔

نمونہ کے چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

جاگ رہا ہوں، نیند میں آنکھ کھلے گی بعد مرگ
ہستی بے ثبات بھی ایک عجیب خواب ہے

اس چمن میں آہ! کب شادی و غم مدغم نہیں
خندہ ہائے گل پہ کس دن گریۂ شبنم نہیں

اللہ اللہ ، وسعت ذوقِ نگاہ
ایک عالم پر گمانِ جلوہ گاہ

مجھ کو شوقِ بیان حال فراق
ان کو نفرت فسانۂ دل سے
ہمت، اے شوق! اور چار قدم
ہو رہا ہوں قریب منزل سے
ذمہ مرا جو جان تصور نیا نہ دوں
میرے تصورات کو کچھ آسرا تو دو

آخر میں آپ کو کینسر جیسے موذی مرض نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ چنانچہ آپ اسی مرض میں ۱۹ر نومبر ۱۹۷۳ء کو راہی ملک عدم ہو گئے۔ اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری کی پیدائش ۱۶ر اکتوبر ۱۹۱۴ء میں ضلع گورکھپور میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید صادق علی گورکھپوری تھا۔

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری اسعد گورکھپوری اور اردو اور انگریزی زبان کے مشہور ادیب اور بلند پایہ صحافی تھے۔ آپ اردو اخبار "الجمیعۃ" کے ایڈیٹر اور انگریزی ہفت روزہ "میسج" کے مینیجر تھے۔

آپ نے صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اردو، انگریزی اور ہندی کی متعدد کتابوں کا بڑا عمدہ اور دلچسپ ترجمہ بھی کیا ہے۔ آپ کا تاریخی کارنامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مرحوم کی مشہور شاہکار تصنیف "تعلیم الاسلام" کا انگریزی ترجمہ ہے اور یہ انگریزی ترجمہ پہلی دفعہ ۱۹۶۰ء میں ساؤتھ افریقہ میں شائع ہوا تھا۔ اور وہاں کے دینی اداروں میں داخلِ نصاب بھی ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کا مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ آپ مجاہد ملتؒ کی وجہ سے ہی "الجمیعۃ" اور "میسج" وغیرہ سے وابستہ ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جہاں ایک ممتاز ادیب اور شاعر تھے وہاں ایک صاحب دل اور مہذب انسان بھی تھے۔ آپ امیر شریعت حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین قادری پھلواری شریف پٹنہ کے مرید خاص تھے۔ آپ پر اپنے پیرو مرشد کا گہرا اثر تھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اسعد تخلص کرتے تھے۔

چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

اب آپ کی نوازش پیہم کو کیا ہوا
آنکھوں کے سب لطیف اشارے چلے گئے
آنے کو صبح آ گئی لیکن نہ آئے تم
دیکھو فلک سے چاند ستارے چلے گئے
مایوس تم سے اسعد خستہ نہ تھے کبھی
ہر حال میں تمہیں کو پکارے چلے گئے

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری ۳۰ نومبر ۱۹۸۱ء بروز دوشنبہ انتقال فرما گئے اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔

ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب نے قطعۂ تاریخ کہا ہے۔

ایسے مشفق محترم کی مرگِ ہنگام بھی
اہلِ دل کے واسطے طرفہ قیامت ہو گئی
"نام اُن کا شامل تاریخ رحلت ہو گیا
"خلد میں ہیں ڈاکٹر محمود احمد قادری"

۹۱ + ۹۰ ۱۸ = ۱۹۸۱م

حافظ ظہور الدین

حافظ ظہور الدین کی پیدائش ۱۹۰۰ء میں ہوئی آپ کے والد کا نام حافظ نور الدین مہاجر مدنی تھا، حافظ ظہور الدین صاحب کے دادا منشی تراب علی سلطنت مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے قابل اعتماد منشی تھے۔

حاجی ظہور الدین کا شمار دلیؒ کے عمائدین اور شرفا میں ہوتا ہے، آپ دلیؒ کی تہذیب و روایت کی حسین تصویر تھے، آپ کی طبعی شرافت اور شائستگی سے بڑے بڑے قائدین متاثر تھے چنانچہ آپ کے ایک خاکہ نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ :-

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۵۳م میں وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ ہندوستان آئے تو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر حاجی ظہور الدین نے ہی ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا

حاجی صاحب کے اس رویہ سے پنڈت جواہر لال نہرو بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے سیکرٹری ایم. آر. بیگ کو ہدایت کی کہ وہ ہر مسلم سربراہ کے استقبال کیلئے حاجی صاحب کو مدعو کریں ،،   دلیؒ والے ص۲۸۳

حاجی ظہور الدین مجاہد آزادی بھی تھے آپ ۱۹۲۱م میں تحریک ترک موالات میں پر جوش حصہ لیا اور چھ مہینے کے لئے جیل بھی گئے، لیکن آزادی وطن کے بعد حکومت ہند سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا حتی کہ قومی وظیفہ لینے سے بھی انکار فرمادیا حافظ صاحب ۴ اپریل ۱۹۸۲ء میں انتقال فرماگئے اور دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے حاجی فیاض الدین صاحب بھی اپنے والد صاحب کی روایات پر قائم ہیں قومی و ملی کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

حاجی نظرالدین

حاجی نظرالدین مرحوم ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام شمس الدین تھا جو ایک با اثر آدمی تھے، حاجی نظرالدین دلی پولیس میں تھانیدار تھے۔ آپ مولٰنا محمد یوسف کاندھلوی سابق امیر جماعت تبلیغ کے مرید، اور سبحان الہند مولانا احمد سعید دہلوی کے بہت قریب تھے۔

حضرت مولانا سیّد غیاث الحسن مظاہری مدیر "دینی مدارس" کی مجلس میں بھی آتے جاتے تھے، آپ کے صاحبزادے شعیب اقبال ایڈیٹر "قومی فیصلہ" صاف ستھرے اور اچھے ذہن و دماغ کے آدمی ہیں، قومی و ملّی کاموں میں کافی دلچسپی لیتے رہتے ہیں اور سیاسی طور پر جنتا دل کے پرجوش حامی ہیں۔

عبدالغفار خاں

عبدالغفار خاں دلی وقف بورڈ کے سکریٹری تھے۔ ۲۷ ر اکتوبر ۱۹۶۶ء میں آپ کا انتقال ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی کے مرقد کے قریب ہی ہے۔ لوحِ مرقد پر یہ عبارت کندہ ہے۔

مولانا حافظ سید محمد فاروق

مولانا حافظ سید محمد فاروق صاحب "بچوں کا گھر" کے نگراں اور منتظم تھے۔ انھوں نے "بچوں کا گھر" کی خاطر بڑی بھاری قربانی دی تھی۔ آج مسلمانوں کے پاس اتنا بڑا دینی ادارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ دراصل مولانا محمد فاروق صاحب کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ انھوں نے دورہ حدیث حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ سے مدرسہ امینیہ میں پڑھا۔

مولانا فاروق صاحب کے آباء واجداد شاہجہاں کے عہد میں بخارا سے دہلی آئے تھے اور شاہجہانی جامع مسجد کی امامت پر مامور ہو گئے تھے۔ لیکن مولانا محمد فاروق صاحب نے شاہجہانی جامع مسجد کی امامت کے بجائے تعلیمی و تعمیری میدان کو منتخب کیا اور اس دشوار ترین میدان میں ایک کامیاب انسان ثابت ہوئے۔

مولانا محمد فاروق صاحب ایک وضعدار آدمی تھے۔ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی سابق جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا فقیہ الدین صاحب مہتمم جامعہ رحیمیہ سے گہرے روابط اور مراسم تھے۔

مولانا محمد فاروق صاحب پرسنل لا بورڈ کی میٹنگوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی

شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین عرف میاں صاحب محدث دہلویؒ کی ولادت باسعادت ۱۸۰۵ء - ۱۲۲۰ھ میں سورج گڈھ ضلع مونگیر بہار میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید جواد علیؒ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور اقتدار میں منصب قضاء پر فائز تھے۔

حضرت مولانا میاں صاحب محدث دہلویؒ ۱۲۴۲ھ میں ضلع مونگیر سے دہلی تشریف لائے اور امام المفسرین حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہم اللہ سے علوم قرآن و حدیث کی تحصیل کی۔ آپ اپنے عہد کے جید عالم دین اور محدث کبیر اور مسلکاً اہل حدیث تھے۔ چنانچہ سر سید احمد خان مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

"مولوی نذیر حسین بہت صاحب استعداد ہیں خصوصاً فقہ میں ایسی استعداد کامل بہم پہونچائی ہے کہ اپنے نظائر و اقران سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ روایت کشی میں آج بے نظیر ہیں باوجود اس کمال اور استعداد کے مزاج میں خاکساری اور حلم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ باعتبار سن کے جوان اور بہ اعتبار طبیعت حلم اور وضع متین کے پیر"

(آثار الصنادید) صـ۵۵۸

حضرت میاں صاحب محدث دہلویؒ پنجابی کٹڑے کی اورنگ آبادی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ اور اسی تاریخی مسجد میں ملک کے اطراف و اکناف سے تشنگانِ علم

دفن آتے اور اکتساب علوم وفنون کرتے تھے۔ حضرت مولانا میاں صاحب محدث دہلویؒ جہاں ایک جید الاستعداد مدرس تھے وہاں ایک بلند نظر مصنف بھی تھے۔ آپ کی چند یادگار تصانیف حسب ذیل ہیں۔ "معیار الحق"، "واقعۃ الفتویٰ"، واقعۃ البلویٰ" "ثبوت الحق الحقیق"، "فلاح الولی باتباع النبی" اور "ابطال عمل المولد" وغیرہ وغیرہ۔

شمس العلماء حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلویؒ ۱۳۲۰ھ میں انتقال فرما گئے۔ شیدی پورے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر شیدی پورے قبرستان میں واقع مکان سے متصل اور ایک درخت کے قریب ہے۔

عربی، فارسی اور اردو کے چند قطعات تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔

قلت فی عامہ باخلاصی
دخل الجنۃ میاں صاحب

۱۳۲۰ھ

نوشت نکہت محزوں دعائیہ تاریخ
بود جلیس بخاری ومسلم و بزاز

۱۳۲۰ھ

جمیلؔ درد زباں رات دن ہے یہ تاریخ
جہاں سے اٹھ گیا اچھا امام علم حدیث

۱۳۲۰ھ

صوفی عزیزالرحمٰن پانی پتی

حافظ صوفی عزیزالرحمٰن پانی پتی کی ولادت ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ میں مردم خیز سرزمین پانی پت میں ہوئی۔ آپ کے والد شادی خان ایک فوجی آدمی تھے۔ صوفی عزیزالرحمٰن ابھی سات دن کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ اپنے ماموں قاری فضل الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں آ گئے۔ ماموں ہی نے ہی آپ کی پرورش کی۔ صوفی عزیزالرحمٰن جید حافظ قرآن مجید اور مایہ ناز قاری تھے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور حضرت مولانا قاری عبدالسلام پانی پتیؒ جیسے ماہر اساتذہ فن تجوید و قرأت شامل تھے۔

صوفی عزیزالرحمٰن صاحب نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید کی تعلیم و ترویج میں گزاری ہے۔ آپ نے ہزار ہا ہزار مسلم بچوں کو حفظ قرآن مجید کی دولت بے بہا سے مالا مال کر کے اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنا لیا ہے۔ صوفی جی صحیح معنوں میں درویش صفت اور ولی اللہ تھے۔ آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف تھانویؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی رحمہم اللہ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہتے تھے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے تھے۔ صوفی جی علمائے دارالعلوم دیوبند سے بہت ہی قریب اور ان کی خدمات جلیلہ کے بڑے معترف اور قدردان تھے۔

صوفی جی شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور جملہ اصناف سخن میں استادانہ کمال بھی رکھتے تھے۔ آپ کا ایک دیوان "دیوان عزیز" کے نام سے منصۂ شہود پر

آچکا ہے اور علمی وادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

صوفی عزیز الرحمٰن صاحب ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں اپنے مولائے حقیقی سے جاملے اور رشیدی پورے کے قبرستان میں قیامت کی نیند سو گئے۔ آپ کی قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

آرام گاہ

جناب الحاج حافظ صوفی محمد عزیز الرحمٰن پانی پتی

زندگی بھر دینی تعلیم دیتے رہے

اور

۸ مئی ۱۹۷۲ء کو مجھے یتیم کر گئے

پیدائش ۱۰ محرم ۱۳۱۴ھ

وفات ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

ضیاء الرحمٰن نیر

عرف رحمان نیر

حافظ محمد نسیم

حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے دلی کے پنجابی برادری کے وہ صاحب خیر بزرگ تھے، جنھوں نے ۱۹۴۷ء کی بربادیوں اور تباہیوں میں نہ صرف اپنے مال سے بلکہ اپنی جاں سے بھی مسلمانوں کی مدد کی۔ ان کی موٹر گاڑی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی سرگرمیوں کے لئے وقف ہو گئی تھی اور اس موٹر گاڑی کے نمبر کو دیکھ کر سرکاری حلقے یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کی مددگاڑی آگئی۔

آپ نے دلی میونسپل کمیٹی کا پہلا الیکشن لڑا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ اور مولانا عبد الماجد صاحب دہلویؒ ان کے الیکشن کے انچارج تھے۔ الیکشن کی سرگرمیوں میں ان پر قلب کا حملہ ہوا اور خدا کو پیارے ہو گئے۔ حافظ صاحب کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ آپ کی قبر رشیدی پورے میں بالکل دروازے کے قریب ہے۔ آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

اللہ ۷۸۶ محمد

کل من علیها فان

مرقد

حافظ محمد نسیم بٹن والے مرحوم و مغفور

رفیق خاص

رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ تبلیغی جماعت اور ۱۹۴۷ء کے خونی دور کے بے لوث خدمت میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کے شریک کار۔

تاریخ وفات:۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۷۳ء بروز اتوار گیارہ بجے شب۔

حافظ رحمت الٰہی معتکف

حافظ رحمت الٰہی معتکف دلی کے مشہور پنجابی برادری کے بڑے صاحب خیر اور علماء نواز بزرگ تھے، سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ کی مجلس کے نورتن کہلاتے تھے۔ جماعتی اور علمائے کرام کی انفرادی ضرورتوں میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے اور ایک بہترین حافظ قرآن بھی تھے۔ حافظ صاحب کا انتقال ۲۶ ستمبر ۱۹۶۷ء میں ہوا اور اپنی برادری کے قبرستان شیدی پورے میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے کے قریب واقع ہے۔ آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

گوشہ معتکف

حاجی حافظ رحمت الٰہی معتکف

ان پر اللہ کی رحمت ہو

تاریخ وفات

۲۶ ستمبر ۱۹۶۷ء بروز جمعہ بوقت ۵ بجے سہ پہر

حاجی محمد شفیع دہلوی

شیخ حاجی محمد شفیع صاحب پیتل والے کا شمار دلی کے مخلص اور بے لوث قومی و ملی خادموں اور رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۰۲ء میں دلی کے ایک معزز پنجابی برادری میں ہوئی۔ آپ کے والد شیخ حاجی انعام اللہ مرحوم ایک صاحب ثروت تاجر تھے۔

شیخ حاجی محمد شفیع صاحب پیتل والے ایک کامیاب اور دیانتدار تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ دینی و قومی تحریکات میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ اور مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ کی جمیعۃ العلماء کے سرگرم رکن اور معاون تھے۔ حاجی صاحب کے روشن اور تابناک قومی و ملی کارناموں کی بنا پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، اور مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ جیسے مخلص قائدین آپ کی بڑی اہمیت محسوس کرتے تھے۔

حاجی محمد شفیع صاحب نے ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگاموں میں دلی کے خوفزدہ مسلمانوں کی بڑی مخلصانہ اور ہمدردانہ خدمت کی۔ دراصل مولانا حفظ الرحمن اور مولانا احمد سعید کو حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے، حافظ محمد عثمان گھڑی والے، حافظ رحمت الٰہی معتکف اور حاجی محمد شفیع پیتل والے جیسے مخلصین اور معاونین نہ ہوتے تو دلی مسلمانوں سے بالکل خالی ہو چکی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی روحوں کو خوش رکھے!

حاجی محمد شفیع صاحب نے ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ کے بعد مساجد اور مقابر کی بڑی دانشمندی اور ہوشیاری سے حفاظت کی اور غیر مسلموں اور حکومت کے قبضے سے ان کو بچایا۔ چنانچہ اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں:

"جب یہ قتل و غارت گیری تھمی اور انسان اپنے ہوش میں آیا تو ان گنت مسائل پیدا ہونے شروع ہو گئے، مہاجرین نے سر چھپانے کے لئے خالی جگہوں کو آباد کرنا شروع کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے قبضے ہونے شروع ہو گئے، مساجد اور قبرستان مفاد پرست لوگوں نے ہتھیانے شروع کر دیئے۔ اس نازک دور میں جناب شفیع مرحوم وقت کی نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے نہایت تدبیر سے کام لیا اور اپنے اثر و رسوخ سے ناجائز قبضے ہٹوائے۔ یہ شفیع صاحب ہی کی مخلصانہ اور بے لوث کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج قبرستان شیدی پورہ موجود ہے۔ ورنہ شاید یہ قبرستان کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ اسی طرح انھوں نے اپنی حکمت عملی سے ان گنت جائیدادوں کو کسٹوڈین میں جانے سے بچایا۔ (دلی والے ص ۳۹۵)

حاجی محمد شفیع مرحوم ایک فرد نہیں بلکہ اپنی گوناگوں خصوصیات اور اوصاف کی بنا پر اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ایک تاریخ تھے اور دلی کی تہذیب و روایت کی زندہ مثال تھے۔ بالآخر ۷ اگست ۱۹۷۱ء میں یہ مخلص اور ہمدرد انسان شیدی پورہ کے اپنے خاندانی قبرستان میں قیامت کی نیند سو گیا، بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے صاحبزادے جناب عیسیٰ شفیع صاحب اپنے محترم اور مخلص باپ کے نقش قدم پر گامزن ہیں اور قومی و ملی کاموں میں نمایاں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

حافظ محمد عثمان

دلی کی پنجابی برادری میں حافظ محمد عثمان صاحب کا نام اور ان کے کارنامے اس برادری کے لئے باعث فخر رہیں گے۔ ان کی گھڑیوں کی دکان چاندنی چوک میں لوٹ لی گئی۔ اور انھوں نے سالہاسال کسٹوڈین سے مقدمہ لڑا اور ہمت نہیں ہاری بالآخر کامیابی حاصل کی اور مایوس کن حالات میں چاندنی چوک میں حسب معمول گھڑیوں کی دکان لگا کر بیٹھ گئے۔

حافظ محمد عثمان صاحب کا انتقال ۱۹۷۸ء میں ہوا۔ اور اپنے خاندانی قبرستان شیدی پورے میں مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر قبرستان شیدی پورے کی مسجد سے قریب ایک احاطہ میں ہے۔

محمد عمر لیس والے

شیخ حاجی محمد عمر لیس والے دلی کی مشہور پنجابی برادری کے ذمہ دار اور مخیر لوگوں میں تھے آپ قومی و دینی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، موصوف زندگی بھر قومی و ملی تنظیموں اور اداروں سے وابستہ رہے، آپ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے خازن بھی رہے ہیں۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی حکیم الاسلام قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مفکر ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا عبدالاحد سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند سے بڑی عقیدت وارادت رکھتے تھے یہ حضرات بھی شیخ صاحب کی مخلصانہ تعلقات و روابط کی بڑی قدر کرتے تھے۔

حافظ محمد یوسف دہلوی

حافظ محمد یوسف دہلوی کا شمار دلی کے مشاہیر میں ہوتا ہے، آپ بڑے باغ وبہار مرنجاں مرنج قسم کے آدمی تھے، آپ دلی کی تہذیب و روایت کی حسین تصویر ہونے کے باوجود زمانے کے جدید تقاضوں سے خوب آشنا تھے، حافظ محمد یوسف صاحب ,,شمع،، جیسے مقبول اور عام رسالہ کے مدیر اور مالک تھے۔ اس دفتر ,,شمع،، کے قلم کاروں میں سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، اور محترمہ عصمت چغتائی جیسے مشاہیر ادب شامل تھے۔

حافظ محمد یوسف صاحب ایک اچھے کاروباری انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے خلیق و ملنسار انسان تھے آپ کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔

,,کاروباری سوجھ بوجھ اور ذہانت میں انکا جواب نہیں تھا، رقابت کے جذبے سے یکسر عاری رہ کر معاصر رسالوں کے مدیروں اور مالکوں کو صالح مشورے دیا کرتے تھے، اور ان کی دشمنی کے باوجود ہر طرح ان کی ہمت افزائی کرتے تھے،، دلی والے ص۲۰۳

حافظ محمد یوسف صاحب ایک تاریخ تھے، ایک انجمن تھے، بالآخر یہ قدآور انسان بھی شیدی پورہ قبرستان میں ہمیشہ ہمیش کیلئے روپوش ہوگیا، آپ کے پہلو میں آپ کی اہلیہ محترمہ بھی آرام فرما ہیں۔

رضیہ سلطانہ

رضیہ سلطانہ ہندوستان کے مشہور بادشاہ شمس الدین التمش متوفی ۱۲۳۵ھ کی صاحبزادی تھیں۔ سیاسی سمجھ بوجھ، انتظامی صلاحیت اور طبعی شرافت میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھیں۔ رضیہ سلطانہ ۱۲۳۶ھ ــ ۶۳۸ھ میں تخت نشین ہوئیں اور بعض امراء کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جلد ہی قتل کر دی گئیں۔

رضیہ سلطانہ کا مقبرہ دلی کے مشہور محلہ بلبلی خانے میں واقع ہے۔ محلہ بلبلی خانے کے اندر بہت دور جانے کے بعد ایک ٹوٹی سی چار دیواری کے اندر دو قبریں ہیں۔ یہ دونوں قبریں شکستہ ہیں ان میں سے ایک لاعلی التعین رضیہ سلطانہ کی ہے اور دوسری رضیہ سلطانہ کی بہن شجیعہ بیگم کی ہے۔ ان دونوں قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ البتہ دروازہ پر انگریزی میں ایک بورڈ لگا ہوا ہے، جس پر رضیہ سلطانہ کے مختصر حالات درج ہیں۔

ان دونوں قبروں کی بے حرمتی اور بے رونقی دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے اور جوش کے یہ اشعار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

جا گور غریباں پر نظر ڈال بہ عبرت
کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت
اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شان حکومت

مرزا عبدالقادر بیدلؔ

ابوالمعانی عبدالقادر مرزا بیدلؔ اپنے عہد کے مشہور و معروف فارسی گو صوفی شاعر تھے۔ جنھیں مرزا غالب "بحر بیکراں" اور علامہ اقبال "مرشد کامل" کہتے ہیں۔

مرزا بیدلؔ ۱۰۵۴ھ میں عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے، مرزا بیدلؔ ایام طفولیت میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ آپ کی والدہ ایک باحوصلہ اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ منعطف کی، مرزا بیدلؔ بہت ہی کم مدت میں قرآن مجید ختم کر کے فارسی و عربی کی تعلیم کی تحصیل میں مصروف ہوگئے اور اپنی خداداد ذہانت کی بنا پر بہت جلد فارسی و عربی کی زبان و ادب میں کمال پیدا کر لیا۔

مرزا بیدلؔ کو نو عمری ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ وہ زمانہ طالب علمی میں ہی نہایت عمدہ و شستہ اشعار کہنے لگے تھے اور ایک نو خیز طالب علم اور کمسن کی زبان سے ایسے عمدہ اور موزوں اشعار سن کر سامع و مخاطب دریائے حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ نکات بیدلؔ، رقعات بیدلؔ، دیوان اور چہار عنصر مرزا بیدلؔ کی یادگار ہیں۔

مرزا بیدلؔ کی شخصیت کو وہ عظمت حاصل تھی کہ آپ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ اپنی علمی اور شاعرانہ مہارت کی بنیاد پر بیرون ہند میں بھی جانے پہچانے جاتے ہیں اور وہاں بھی ان کے قدرداں موجود ہیں اور ان کے متصوفانہ اشعار پر جان چھڑکتے ہیں۔

مرزا بیدلؔ کا انتقال ۱۱۳۳ھ میں دارالسلطنت دہلی میں ہوا، حکومت ہند نے متھرا روڈ پر مٹکے شاہ کے مزار کے مقابل باغ بیدلؔ بنوایا ہے، جہاں مرزا بیدلؔ کی قبر ہے۔

مرزا بیدل کی لوح پر خط نستعلیق میں کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرقد بیدل

تعمیر نو بنو افغانستان بیدل عقیدت منداں بیدل حاضر باشد

زشک عجز بیدل تا قیامت بر نمے آیم

برنگ جادہ منزل کردہ ام دریا خوابیدہ

مرزا عبدالقادر بیدل افغانستان کے ہر دلعزیز مشہور و معروف صوفی شاعر ہیں۔

زیر گردوں بردہ شغل محو باید زیستن

غیر طفلی نیست بیدل مرشد آں خانقاہ

ولادت ۱۰۵۳ھ ق ۔ وفات ۲/ صفر المظفر ۱۱۳۱ھ ق

حکیم محمد ابوالفتح اولاد جانشین، سجادہ نشین

متولی

درگاہ حضرت خواجہ نورالدین ملک یار پیراں نوراللہ مرقدہ،

شاہ ترکمان بیابانی

شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانیؒ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے اجل خلفاء اور مجازین میں تھے۔ آپ ہمہ وقت عالم استغراق میں رہتے تھے اور آپ فطرتاً دنیا اور دنیا کے بکھیڑوں سے اس درجہ بے رغبت تھے کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگل میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور دنیا و مافیہا سے بالکل کنارہ کش! اسی وجہ سے آپ "بیابانی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ بڑے صاحب حال اور زہد و ورع، تقویٰ و طہارت میں بے نظیر تھے۔

شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانی کا انتقال ۲۴ ماہ رجب المرجب ۶۳۷ء بمطابق ۱۵۳۱ء میں ہوا اور آپ کا مزار ترکمان دروازہ محلہ قبرستان میں حوض والی مسجد سے متصل مغرب کی جانب واقع ہے۔

مولانا عبدالغفار دہلوی

مولانا عبدالغفار صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلویؒ کے صاحبزادے تھے۔ جید عالم دین تھے۔ آپ اپنے خاندانی قبرستان (خواجہ نور الدین ملک پار پیران مقابل درگاہ ابوبکر طوسی) میں مدفون ہیں اور اسی قبرستان میں صوبہ بہار کے قادر الکلام اور صوفی شاعر عبدالقادر بیدل کا خوبصورت مزار بنا ہوا ہے۔ اور اسی مزار کے قریب مولانا عبدالغفار دہلوی کا مزار ہے۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی

شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلویؒ ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ذوق کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے۔

ذوق حافظ غلام رسولؒ شوق کے شاگرد تھے، بعد میں شاہ نصیر دہلویؒ کی شاگردی اختیار کی۔ شاہ نصیر شاعری میں بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی کے استاذ تھے، جب شاہ نصیر دکن چلے گئے تو بہادر شاہ ظفر کے ذوق کو استاذ بنالیا، بادشاہ کے استاذ ہونے کے بعد ذوق کو مزید شہرت حاصل ہوئی۔

ذوق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے زبان کو خوب صاف کیا اور اس پر جلادی۔ وہ الفاظ کی نشست اور ان کے مناسب استعمال سے کماحقہ واقف تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وصف میں اپنے معاصر شعراء میں نمایاں و ممتاز تھے۔ ذوق کو دربار شاہی سے ملک الشعراء اور خاقانی ہند کا خطاب ملا اور قادر الکلامی کے دربار سے ملک سخن کا لقب پایا۔

ذوق کو دلی سے عشق تھا، چنانچہ چند دلال نے حیدرآباد سے ایک مصرعہ ارسال کیا اور بکمال اشتیاق بلایا لیکن آپ نے نہایت ہی بے نیازی کے ساتھ یہ شعر لکھ کر بھیج دیا ؎

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

ذوق ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ میں جان بحق ہوئے اور دلی کے قدیم قبرستان

قدم شریف صدر بازار کے قریب کلو کا تکیہ میں دفن ہوئے۔ افسوس صد افسوس! اب ذوق کے مزار پر استنجا، خانہ تعمیر ہو گیا ہے۔

ابتدا لوح مزار پر یہ قطعۂ تاریخ کندہ تھا۔

اللّٰہ اکبر

طوطیٔ ہند حضرت استاذ ذوقؔ نے
لی گلشن جہاں سے جو باغ جناں کی راہ
سال وفات جو کوئی پوچھے تو اے ظفر
کہہ ذوقؔ جنتی ہے بخشش الٰہ

۱۲۷۱ھ

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی

مفتی محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی مسجد فتحپوری کے امام اور مفتی تھے۔ آپ کا شمار دلّی کے مشہور علمار میں ہوتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگاموں میں آپ نے مسجد فتحپوری کے مکان سے منتقل ہونا پسند نہیں کیا اور مسجد کو ہر حالت میں آباد رکھنے کی کوشش کی۔ مفتی صاحب خوش عقیدہ بزرگ تھے۔ رضاخانی انتہا پسندی سے پاک تھے جمیعۃ العلمار کے اکابر ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں مفتی صاحب کی پوری طرح دل داری اور مزاج پرسی کرتے تھے تاکہ انھیں اختلاف عقائد کے سبب جمیعۃ العلمار کے اکابر کی طرف سے بے اطمینانی اور بدگمانی نہ ہو۔

مفتی صاحب ایک مخصوص حلقے کے شیخ طریقت بھی ہیں۔ آپ کے مریدین اور معتقدین کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی کا مزار احاطہ مسجد فتحپوری میں ہے۔

فخرالدین علی احمد

فخرالدین علی احمد کی ولادت ۱۳ مئی ۱۹۰۵ء میں دہلی ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نامی ذوالنور علی احمد تھا، جو انگریزی فوج میں کرنل تھے اور بڑے باوضع انسان تھے۔

فخرالدین علی احمد نے کم عمری میں ہی قرآن مجید ختم کر لیا اور اردو و فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر گورنمنٹ اسکول کشمیری گیٹ میں داخل ہوئے اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھی گئے اور وہاں سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ایماواشارہ پر تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تحریک آزادی وطن کے چوٹی کے رہنماؤں میں شامل ہو گئے۔

محترمہ آپا حمیدہ سلطان تحریر فرماتی ہیں۔

"پنڈت نہرو آکا بھائی (فخرالدین علی احمد) کی سوجھ بوجھ کے قائل تھے۔ آپ عرصہ دراز تک کانگریس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۳۹ء میں آکا بھائی کو بردولی وزارت میں وزیر مال کا عہدہ سپرد کیا گیا جبکہ آپ تمام وزراء میں سب سے کم عمر وزیر تھے۔

(دلی والے ص۱۰۳)

۱۹۶۶ء میں اندرا گاندھی کے دور میں آپ کو متعدد قلمدان وزارت سپرد کئے گئے اور آپ جس شعبہ میں بھی گئے وہاں کے بگڑتے ہوئے نظام کو درست کر دیا۔ آخیر میں آپ کو صدر جمہوریہ بنایا گیا۔ اس مسند کو بھی آپ نے اپنے حسن تدبیر اور فطری صلاحیت کی بنا پر چار چاند لگائے اور آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ بنے۔

موصوف اپنے دورِ صدارت میں دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لے گئے اور آپ کے شایانِ شان استقبال کیا گیا اور آپ نے وہاں کے علماء اور طلباء کے درمیان ان کی مناسبت سے بڑی ہی اچھی تقریر فرمائی جو طبقۂ علماء میں بہت پسند کی گئی۔

اتفاقی امر یہ ہے کہ آپ دوسرے صدر جمہوریہ ہیں جن کی وفات زمانہ صدارت میں ہوئی اور مزید اتفاق یہ ہے کہ آپ سے پہلے صدر ج[illegible] وفات زمانہ صدارت میں ہوئی وہ بھی مسلمان صدر تھے، جن کا نام ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ہے۔ بہرحال آپ نے ۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء میں انتقال فرمایا اور نئی دہلی کی جامع مسجد کے احاطہ میں نزد پارلیمنٹ ہاؤس دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بہت ہی خوبصورت ہے۔

لوحِ مزار پر صرف نام و تاریخ پیدائش و وفات درج ہے۔

فخر الدین علی احمد

پیدائش	وفات
۱۳ر مئی ۱۹۰۵ء	۱۱ر فروری ۱۹۷۷ء

حافظ عبدالرشید قریشی

حافظ عبدالرشید قریشی دہلویؒ کا شمار دلی کے روحانی پیشواؤں اور درویشوں میں ہوتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں قریش نگر قصاب پورہ دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نامی چودھری عبدالمجید قریشیؒ تھا، جو قریش برادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

حافظ عبدالرشید قریشی صاحبؒ نے حفظ قرآن مجید قصاب پورہ کے مشہور استاذ حافظ مولوی عبدالکریم صاحبؒ سے کیا۔ اور دیگر علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل اپنے محلہ کے مدرسہ زینت الاسلام میں کی۔ حافظ عبدالرشید قریشیؒ اکابر ملت اور مشائخ طریقت کی صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ موصوف اپنے عہد کے علماء، مشائخ اور صوفیاء کی خدمت بابرکت میں بڑی عقیدت وارادت کے ساتھ حاضر ہوتے تھے اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے تھے۔

حافظ صاحب کی شخصیت پر مشہور مجاہد آزادی و مفسر قرآن مولانا نورالدین بہاریؒ اور دلی کے مشہور واعظ حافظ مولوی محمد اسحاق دہلویؒ کا گہرا اثر تھا۔ حافظ عبدالرشید قریشی صاحب حضرت مولانا محمد اسحاق قریشی دہلوی کے علمی وروحانی مرکز مدرسہ حسینیہ حنفیہ گلی گڑھیا بازار مٹیا محل جامع مسجد دہلی میں والہانہ انداز سے حاضر ہوتے تھے اور حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ کے مواعظ حسنہ سنتے تھے۔ یہاں ایک تاریخی واقعہ کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ حسینیہ حنفیہ گلی گڑھیا صدیوں سے دعوت وتبلیغ کا مرکز رہا ہے۔ جہاں سید الطائفہ حضرت مولانا محمد حسین فقیر صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی

محمد ابراہیم، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قریشیؒ، مولانا محمد زبیر قریشی صاحب اور حافظ مولوی محمد عرفان صاحب قریشی رحمہم اللہ علوم قرآن و حدیث کا وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ یہ علمی و روحانی مرکز حضرت مولانا زبیر قریشی صاحب اور حضرت مولانا محمد عرفان قریشی صاحب کے انتقال کے بعد ویران اور غیر آباد ہو گیا۔

اللہ خوش رکھے! حافظ محمد عرفان قریشی کے صاحبزادے اور مدرسہ حسینیہ حنفیہ کے متولی محمد عثمان خالد قریشی صاحب اور محمد رضوان عابد قریشی صاحب کو جنھوں نے نہایت ہی عسرت و تنگ دستی کی حالت میں مدرسہ حسینیہ حنفیہ گلی گڑھیا میں درس قرآن مجید کا انتظام و اہتمام کیا اور راقم الحروف کو درس قرآن مجید دینے پر مجبور کیا۔ الحمد للہ راقم الحروف اپنی مصروفیات کے باوجود ہفتہ میں دو روز جمعہ اور پیر کو بعد نماز صبح درس قرآن دیا کرتا ہے۔ اس سلسلہ کو باقی رکھنا حافظ صاحب کے حلقے کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ خدا خاندان فقیر اور ان کے عقیدت مندوں کی اس یادگار کو قائم رکھے۔ آمین

حضرت حافظ عبدالرشید صاحب قریشی پر حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ العزیز کا گہرا اثر تھا۔ لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کے لیے حضرت مولانا محمد عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا اور آپ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کیا۔ حضرت مولانا محمد اسحاق قریشی صاحب کے اخلاص اور بلند ظرفی کی بات تھی کہ انھوں نے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی اور ارادت مندی پر کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ تحقیق حال کے بعد خوشی و مسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ حافظ معراج الدین صاحب قریشی کا بیان ہے کہ " حضرت حافظ عبدالرشید قریشی صاحب ایک پختہ عقیدہ اور دیوبندی الفکر بزرگ تھے اور عقیدہ توحید کے پرجوش حامی اور مبلغ تھے۔"

حافظ عبدالرشید صاحب بڑے خاموش طبع اور گوشہ نشین قسم کے بزرگ تھے۔ دراصل اس ہنگامۂ نام و نمود میں خرق عادت کی زندہ تصویر تھے۔ انھیں نام و نمود سے

بڑی نفرت تھی۔ دراصل اکابر دیوبند کے مشن پر گامزن تھے۔ حافظ صاحب کے مریدین اور معتقدین کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ یہ سبھی لوگ آپ کی بلند ظرفی، بلندی اخلاق اور دینداری کے بڑے قدرداں اور مداح ہیں۔ دراصل قصاب پورہ میں دینداری کی موجودہ فضا آپ جیسے مخلص داعین اور مبلغین کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دینی ماحول کو قائم دائم رکھے! بڑی خوشی کی بات ہے کہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب قریشی کے معمولات اور وظائف کو آپ کے جانشین حافظ معراج الدین صاحب قریشی زندہ کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو جاری رکھے! اور حافظ صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے! آمین

بلاشبہ حافظ عبدالرشید قریشی صاحب نے اپنی پوری زندگی شمع رشد و ہدایت کو روشن رکھا۔ بالآخر ۸۶ء۱۹ میں یہ آفتاب رشد و ہدایت بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔ آپ کی تربت قریش نگر کی مسجد تکیہ والی کے شمالی حصہ میں شاہ افلاطون شہید کے برابر میں ہے

عاجزہ خاتون

عاجزہ خاتون صاحبہ کی ولادت ۱۹۳۵ء میں صوبہ بہار کے مشہور تاریخی ضلع سہسرام شاہ آباد میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید اظہار عالم ایڈوکیٹ تھا۔

عاجزہ خاتون نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کیں۔ میٹرک کا امتحان سہسرام گرل اسکول سے پاس کیا اور بی۔ اے مگدھ یونیورسٹی گیا سے کیا اور وہیں سے بی۔ ایڈ بھی کیا۔ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مسلم گرل ہائی اسکول گیا میں پرنسپل ہوگئیں اور عرصہ دراز تک پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہیں۔ پھر خانگی حالات کی بنا پر عہدۂ پرنسپلی سے مستعفی ہوکر دھنباد میں سکونت پذیر ہوگئیں اور اپنے صاجزادوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے لگیں۔ عاجزہ مرحومہ کچھ عرصہ سے بیمار تھیں۔ آپ کے صاجزادے جاوید عالم صاحب کے اصرار پر علاج کے سلسلہ پر دہلی آئیں اور رام منوہر لوہیا ہاسپٹل میں داخل ہوگئیں وہیں ۲۲ر فروری ۱۹۸۸ء کو راہی ملک عدم پر روانہ ہوگئیں اور جعفر آباد سیلم پور دہلی کے گورغریباں میں دفن ہوگئیں۔ اللہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے آمین یا الہ العالمین۔

اردو کے مشہور شاعر ظفر جنگپوری نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔

عاجزہ، جان آفریں کو، جان شیریں سونپ کر
دار فانی کے ہر اک غم سے ہوئی مامون آج
ہوگئی اب وہ خدا کے فضل سے جنت مکین
کوکب برج سعادت، عاجزہ خاتون آج
۱۹۸۸ء

قاضی سجاد حسین

قاضی سجاد حسین صاحب مدرسہ عالیہ فتحپوری کے شیخ الحدیث تھے۔ فارسی نصاب اور ادب کی کتابوں کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کر کے زندہ کر دیا۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کی نہایت مختصر اور جامع شرح اور ترجمہ کر کے مثنوی کو اس کے معنوی حسن و جمال کے مطابق ایک شاندار کتاب کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ بہت شاہانہ مزاج اور رکھ رکھاؤ کے بزرگ تھے۔ ہمدرد دواخانہ کے نائب متولی بھی رہے۔ مسلک حنفیت کے مشہور فتاویٰ تاتار خانیہ جو ناپید ہو چکا تھا، اس کو ایڈٹ کر کے شائع کرایا اور یہ آپ کا بڑا تاریخی کارنامہ ہے۔ مولانا قاضی سجاد حسین جمیعۃ العلماء ہند کے سرگرم رکن تھے، لیکن آخر میں جمیعۃ علماء ہند کی موجودہ قیادت سے بہت ہی نالاں تھے۔ اور جمیعۃ العلماء سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور گھر میں بالکل گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ مرحوم راقم الحروف کی تصنیف "الواح الصنادید" حصہ اول کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ اور حصہ دوم کی طرف رہنمائی فرماتے تھے۔ حضرت قاضی صاحب کا ۲۴ دسمبر ۱۹۹۰ء میں انتقال ہو گیا۔ حضرت مولانا ابوالحسن زید میاں صاحب نے اینگلو عربک کالج اجمیری گیٹ کے احاطہ میں جنازہ کی نماز پڑھائی۔ راقم الحروف نماز جنازہ میں شریک تھا۔ نماز جنازہ میں علماء اور عمائدین شہر کی بڑی بھاری تعداد شریک تھی۔ آپ کی تدفین حوض رانی نئی دہلی میں آپ کی اہلیہ محترمہ کے پاس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی قبر کو نور سے بھرے۔ آمین۔

کتابیات

آثار الصنادید — از سرسید احمد خان
واقعات دار الحکومت دہلی — ” مولوی بشیر الدین احمد
مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری — ” شانتی رنجن بھٹہ چاریہ
الواح الصنادید — ” عطاء الرحمن قاسمی
ماہنامہ دینی مدارس — ” غیاث الحسن مظاہری
گنجہائے گرانمایہ — ” پروفیسر رشید احمد صدیقی
مولانا نذیر احمد کی کہانی کچھ انکی کچھ میری زبانی — ” مرزا فرحت اللہ بیگ
دلی والے — ” ڈاکٹر صلاح الدین
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات — ” خلیق احمد نظامی
ساغر نظامی فن اور شخصیت — ” ضامن علی خان
رود کوثر — ” شیخ محمد اکرام
رئیس الاحرار — ” جمیل احمد
در حدیث دیگران — ” عزیز الرحمن جامعی
شاہ ولی اللہ اور انکا نسبی اور فکری خاندان — مولانا اخلاق حسین قاسمی

دلی کی یادگار شخصیتیں ازامداد صابری

یہ دلی ہے ″ یوسف دہلوی

تذکرہ سائل ″ حفظ الرحمٰن واصف

کلیات مخمور ″ بدر مخمور

دنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں ″ عطاء الرحمٰن قاسمی

ٹوٹے ہوئے تارے ″ شاہ محمد عثمانی

دلی کے بائیس خواجہ ″ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

یاد دل کا جشن کنور مہندر سنگھ بیدی

مادر ہمدرد خواجہ حسن نظامی

تاریخ فرشتہ ″ محمد قاسم فرشتہ

علامہ خضر برنی شخص اور شخصیت ″ نظر برنی

خاندان لوہارو کے شعراء ″ حمیدہ سلطان احمد

سیر المنازل ″ سنگین بیگ مرتبہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی

خواجہ میر درد ″ ثاقب صدیقی

مزارات اولیائے دہلی ″ مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی

ارمغان آصف ″ خواجہ احمد فاروقی

ذکر محمود ″ ڈاکٹر سید مشکور احمد

علماء ہند کا شاندار ماضی ″ مولانا محمد میاں صاحب

الواح الصنادید
حصہ دوم
از
عطاء الرحمن قاسمی
(ایم۔ اے)
مولانا آزاد اکیڈمی ۱۹۲۳ گلی گڑھیا
بازار مٹیا محل جامع مسجد دہلی